

# مشرقی پاکستان کا زوال

ذخیرہ کتب :۔ محمد احمد ترازی

سعید الدین

# مشرقی پاکستان کا زوال

# مشرقی پاکستان کا زوال

سعیدالدین

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

اشاعت ——— اول
تاریخ اشاعت ——— مئی ۱۹۷۹ء
تعداد ——— ایک ہزار
مطبع ——— ناظر پرنٹنگ پریس
ناشر ——— سعیدالدین
قیمت ——— ۱۰ روپیہ



# فہرست

# پیش لفظ

یوں تو آج تک سقوطِ مشرقی پاکستان پر بہت کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر یہ المیہ اتنا عظیم ہے کہ کسی بھی تصنیف کو مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میری یہ تالیف تاریخی و سیاسی اعتبار سے اپنی نوعیت کی پہلی کاوش ہے جس میں کافی حد تک اصل واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

پہلا باب اُن ماضی کے واقعات کی عکاسی کرتا ہے جو بنگال میں انگریزوں کے دورِ حکومت میں رُونما ہوئے۔ اُس وقت بنگالی مُسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اُن کی صنعت و حرفت کیسے تباہ ہوئی۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں کس نے آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو کس نے قراردادِ پاکستان پیش کی اور اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ۹۶ فیصد بنگالی مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے۔ دوسرے باب میں جنرل یحییٰ خاں کی اُن مخلصانہ کوششوں کا ذکر ہے جو اُنھوں نے نمائندہ حکومت کے قیام کے لئے کیں تیسرے باب میں عوامی لیگ کے منشور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس دستاویز کی مختلف تاویلیں پیش کی گئیں جن سے علیحدگی پسند رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوئی چوتھے باب میں پاکستان کے پہلے اور مثالی انتخابات کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ جن پارٹیوں نے انتخابات میں حصہ لیا انہیں ملک گیر سیاسی جماعتوں کا

درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ عوامی لیگ نے صرف مشرقی پاکستان کے انتخابات میں حصہ لیا اور مغربی پاکستان کے بقیہ چار صوبوں کے انتخابات میں حصہ نہ لے کر ۶ کروڑ سے زائد افراد کو نظر انداز کر دیا۔ اس طرح پیپلز پارٹی نے مشرقی پاکستان کے انتخابات میں حصہ نہ لے کر ۷ کروڑ افراد کو نظر انداز کر دیا جس طرح عوامی لیگ کو مغربی پاکستان کے لوگ اپنا صحیح نمائندہ تصور نہیں کرتے تھے اسی طرح مشرقی پاکستان کے لوگ پیپلز پارٹی کو اپنا نمائندہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ درحقیقت انتخابی حکمت عملی اور اس کے نتائج نے خود بخود پاکستان کے دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا تھا جو ۲۵ سال سے کسی معقول وفاق کے بغیر متحد اور مربوط تھے۔ ان ہی غیر متوازن انتخابی نتائج کی وجہ سے ہندوستانی سازش کے لئے راستہ ہموار ہوا اور جو واقعات بھی انتخابات کے بعد رونما ہوئے وہ سب انتخابی نتائج کا منطقی نتیجہ تھا جس کی بیشتر ذمہ داری ملک کے سیاستدانوں پر عائد ہوتی ہے۔ پانچویں، چھٹے، ساتویں اور آٹھویں باب میں ہندوستانی سازش، دو بڑی جماعتوں کے لیڈروں کی ملاقات، قومی اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ اور سول نافرمانی کی تحریک پر روشنی ڈالی گئی ہے جن حالات نے بالآخر پاکستان کے دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔

نویں باب میں جنرل یحییٰ خاں کے سیاسی لیڈروں سے مذاکرات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو ڈھاکہ میں ۱۹ مارچ سنہ ۷۱ء سے ۲۵ مارچ سنہ ۷۱ء تک ہوتے رہے اس کے بعد مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی ہوئی۔ دسویں باب میں سیاسی لیڈروں کے بیانات سے جو انھوں نے ڈھاکہ سے واپسی پر اخباری نمائندوں کو دیئے مختلف نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اول یہ کہ شیخ مجیب نے پاکستان کو متحد



رکھنے کی آخر وقت تک کوشش کی۔ دوئم یہ کہ چند سیاسی لیڈر اس بات کے حامی تھے کہ اقتدار اکثریتی پارٹی کو منتقل کیا جانا چاہیئے۔ سوئم یہ کہ مطلوبہ فوجی کارروائی سے پہلے صدر نے سیاسی لیڈروں سے مشورہ کیا تھا۔ گیارھویں باب میں فوجی کارروائی سے متعلق صدر کی تقریر کو بیان کیا گیا ہے۔ بارھویں باب میں مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد قتل و غارت گری کے افسوسناک واقعات ہیں۔ تیرھویں باب میں میاں محمود علی قصوری کی تقریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشرقی پاکستان کی تباہی میں غیر ملکی طاقتیں بھی سرگرم عمل تھیں۔ چودھویں باب میں تقریباً ۶ ماہ کے عرصے میں رونما ہونے والے اہم واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پندرھویں اور سولھویں باب میں مشرقی پاکستان پر ہندوستان کے حملے اور سقوط ڈھاکہ کی المناک داستان ہے۔ سترھواں اور آخری باب بنگلہ دیش کے قیام سے متعلق ہے۔

آخر میں مجھے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی چیئرمین شعبۂ اردو جامعہ کراچی اور جناب سحر انصاری استاد شعبۂ اردو جامعہ کراچی کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنھوں نے اس تالیف پر مجھے اپنی بیش قیمت آراء سے نوازا ہے۔

سعیدالدین

کراچی مئی سنہ ۱۹۷۹ء

باب ۱

# ماضی کے واقعات

مشرقی پاکستان کے عظیم المیے کے اسباب و محرکات کا محققانہ تجزیہ ضروری ہے۔ صدیوں سے اس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے۔ مغلوں کے دور میں بنگال کے مسلمانوں کو زندگی کی بہتر سہولتیں حاصل تھیں۔ بنگال کی خوشحالی کا راز پارچہ بافی کی صنعت تھی۔ صوبے میں اعلیٰ قسم کی ململ تیار کی جاتی تھی جس کی یورپ تک میں شہرت تھی۔ تجارتی اہمیت کی فصل پٹ سن پیدا ہوتی تھی۔ علاقہ مکمل طور پر زرعی تھا اور کثیر آبادی پر مشتمل تھا۔ یہاں کی زمین زرخیز تھی اور پانی کی فراوانی تھی لیکن ہر سال سیلاب تباہی بھی لاتے جس کی وجہ سے قحط اور وبائی بیماریاں پیدا ہوتی تھیں۔ ہر سال ہزاروں بنگالی ان ہی سیلابوں کی نذر ہو جاتے۔ اس قسم کی ہولناک تباہی ۱۸۷۶ء کے سیلاب سے ہوئی جس میں باقر گنج اور اس سے ملحقہ خطے ۱۰ سے ۴۵ فٹ کی گہرائی میں ڈوب گئے۔ مرنے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ تو لگایا نہیں جا سکا تاہم اس میں ہیضہ اور دوسری وبائی بیماریوں کی بدولت تقریباً ۵۰ ہزار انسانی جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ علاقے کے مختلف حصوں کے درمیان رابطہ مشکل اور دقت طلب تھا۔ مان سون کے زمانے میں ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے کٹ جاتا۔ آمد و رفت اور نقل و حمل صرف کشتیوں کے ذریعے ممکن تھا۔

انگریزوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے بنگال پر قبضہ کیا۔ ہندوستان کا بحری راستہ معلوم کرنے کے لئے یورپی تاجر بڑی کوشش کر رہے تھے۔ کولمبس ہندوستان کی تلاش میں نکلا مگر اسے امریکہ مل گیا۔ پرتگالی سیاح واسکوڈی گاما پہلا یورپین تھا جس نے ایک عرب ملاح کی مدد سے ہندوستان کی سرزمین پر کالی کٹ میں قدم رکھا۔ اس کے بعد ڈچ، انگریز اور فرانسیسی آئے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر طاقت کے ذریعہ نہیں بلکہ تدبر اور حکمت عملی سے قبضہ کیا۔

"انگریز تاجروں کا مقامی لوگوں کے ساتھ اخلاق بہت اچھا تھا۔ ان کی یہ خوش نصیبی تھی کہ ایک انگریز ڈاکٹر نے شاہجہان کی لڑکی کا علاج کیا جس کے صلے میں بادشاہ نے تجارت کرنے کے لئے مراعات دے دیں۔ بنگال کے نوابوں نے کلکتہ میں برٹش ٹریڈ آفس کی سرگرمیوں کو نظر انداز کر دیا لیکن جب انہوں نے مقامی سیاست میں شرکت کرنے کی کوشش کی تو نوابوں نے بہت دیر کے بعد سختی برتی۔ برطانیہ نے بنگال میں طاقت پکڑی تھی اور محلاتی سازشوں میں ان کا ہاتھ تھا۔ نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کو بھگانا چاہا مگر ہندوؤں کی سازش نے اس کی پوزیشن کو نازک بنا دیا۔ آخر کار اسے برطانیہ سے پلاسی کے مقام پر ۱۷۵۷ء میں مقابلہ کرنا پڑا۔ انگریزوں نے نواب سراج الدولہ کے جنرل میر جعفر کو اپنی طرف ملا لیا۔ جس نے غداری کی۔ سراج الدولہ کی شکست کے بعد بنگال برطانیہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ایک ہندو مہاجن امی چند نے ایک بھاری رقم کے لالچ میں میر جعفر کو انگریزوں سے ملایا تھا جب امی چند اپنا انعام لینے آیا تو لارڈ وارن ھسٹنگز نے اسے پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا۔"[1]

نواب سراج الدولہ کی شکست اور خود مختار بنگال کا سقوط میر جعفر کی غداری کی وجہ سے ہوا۔ پلاسی کی جنگ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو عملی طور پر بنگال کا حکمران بنا دیا۔ رابرٹ کلائیو جون ۱۷۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر مقرر ہوا۔ میر جعفر پوری طور پر کلائیو کا ماتحت تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے بنگال میں بدنظمی اور رشوت ستانی کو ڈھیل دے دی۔۔۔ ۱۷۶۹ء میں بنگال میں خوفناک قحط پڑا جس سے صوبے کی ایک تہائی آبادی متاثر ہوئی۔ خوفناک قحط کی تصویر اس طرح ھنٹر کھینچتا ہے۔

"کاشتکاروں نے مویشی بیچ ڈالے، اپنی کاشت کے اوزار، اپنے بیٹے اور بیٹیاں، یہاں تک کہ بچوں کو خریدنے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ وہ پتے اور

۱۔ Dr KHALID GHAZNAWI, STORY of INDIAN AGGRESSION AGAINST PAKISTAN P. 23, 24



گھاس کھاتے تھے اور مردہ لاشیں۔ قحط زدہ اور مرض کے مارے ہوئے شہروں میں امڈے آتے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں مر رہے تھے اور پانے والوں کی لاشوں کے انبار بڑے پیمانے پر شہروں کے وجود کو خطرے میں ڈال رہے تھے۔"[1]

اس بے مثال آفت میں بھی کمپنی کے ملازمین انسانوں کی مشکلات پر تجارت کر رہے تھے۔ بڑی بے رحمی کے ساتھ مالیہ وصول کیا جا رہا تھا۔ لوگوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے نواب کے پاس پیسہ نہیں تھا ادھر کمپنی کو ان کی مشکلات دور کرنے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بڑھتی ہوئی تجارتی اجارہ داری نے بنگال کے دیسی تاجروں کو کچل ڈالا۔ کمپنی مالگذاری سے سامان خریدتی تھی اور اس کی فروخت سے جو رقم ملتی تھی وہ انگلستان میں لگا دی جاتی تھی۔ اس نے ملک کا خون نچوڑ کے سفید کر دیا کیوں کہ یہ امر مصنوعات یا پیداوار کو اس کی قیمت ادا کرنے کے برابر تھا۔ اس نے بنگال کے لوگوں کو اس درجہ مفلس کر دیا کہ وہ کبھی اس لوٹ کھسوٹ کے اثرات سے جانبر نہ ہو سکے۔ انگریز زبردستی مسلمانوں کا سامان کم قیمتوں پر خریدتے تھے اور ان کی مصنوعات اونچی قیمتوں پر فروخت کر دیتے تھے اور پارچہ بافوں سے اپنا کام زبردستی کرواتے تھے۔ ان کی بالادستی کی وجہ سے تاجروں اور دستکاروں نے اپنے پیشے ترک کر دیے اور بھیک مانگنا، یا چوری کرنا شروع کر دیا۔

انگریز حکمران ہندوؤں کو اپنا حقیقی اتحادی سمجھتے تھے اور ہندوؤں نے بھی اپنے نئے آقاؤں کو قوت کا ذریعہ جانے رکھا۔ سیلیکٹ کمیٹی (۱۸۱۳) کے ممبران کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے سر جان MALCOLM خیال ظاہر کرتے ہیں۔

"ہندوستان میں ہماری حفاظت کا اولین ذریعہ ہندوؤں سے ہماری وابستگی ہے۔"[2]

تھومس منرو کا بھی یہی خیال تھا کہ اگر ہندو آبادی مطمئن ہے تو مسلمانوں کی بے اطمینانی سے کمپنی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ انگریز اور ان کے ہندو اشتراکیوں کے دوہرے تسلط نے

۱۔ I.H. QURESHI, A SHORT HISTORY OF PAKISTAN, BOOK FOUR P.77 UNIVERSITY OF KARACHI

۲۔ I.H QURESHI, Ibid P.78

مسلمانوں کو کچل ڈالا۔

انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے حقیقی دشمنوں کی طرح برتاؤ کیا۔ ان سے ہر بات میں امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ کمپنی کی حکومت نے مسلمانوں کو ملازمتیں دینا بند کر دیا۔ بنگال کی نظامت کے سقوط کے بعد سینکڑوں مسلمان فوجی افسر اور تقریباً ایک لاکھ سپاہی بے روزگار ملازمت سے نکال دیے گئے۔ سبکدوش ہونے والے سپاہیوں کی بھاری تعداد کو کاشتکاری کا پیشہ اختیار کرنا پڑا۔ لہٰذا بنگال کے مسلمانوں کو زمین پر انحصار کرنا پڑا۔

۱۸۳۷ء میں ایک اور مسلمانوں کو ضرب لگی جب کہ علاقوں میں فارسی کے بجائے انگریزی اور ملکی زبان رائج ہوئی۔ اس یکایک تبدیلی نے ہزاروں مسلمانوں کو بے روزگار کر دیا۔ ہندوؤں کو اس تبدیلی سے فائدہ پہنچا کیونکہ انہوں نے شروع ہی سے انگریزی زبان کو قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح دفتری زندگی کے ہر درجے سے مسلمان نکال دیے گئے۔ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کلکتہ کا ایک فارسی اخبار "دوربین" لکھتا ہے۔

"ہر قسم کی چھوٹی اور بڑی ملازمتیں بتدریج مسلمانوں سے چھینی جا رہی ہیں
اور دوسری نسلوں کے لوگوں خصوصاً ہندوؤں کو دی جا رہی ہیں۔" [1]

مسلمانوں کا اخراج اس قدر مکمل تھا کہ وہ کلکتہ کے سرکاری دفتروں میں حمال، نامہ بر، دوائیں بھرنے والے اور قلم مرمت کرنے والے سے زیادہ اونچے درجے کا کام ملنے کی امید نہیں کر سکتے تھے۔ نیل کی کاشت برصغیر میں عرصۂ دراز سے ہوتی تھی۔ انگریزوں نے اس جنس کو نفع بخش پا کر اس کی کاشت اپنی نگرانی میں بنگال اور بہار تک پھیلا دی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی پالیسی نے مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی تجارت سے نکال دیا۔ مسلمانوں کے راج میں تجارت زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ مارواڑی اور ہندو تاجر رفتہ رفتہ بنگال اور دوسرے صوبوں میں اپنی تجارت جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ کمپنی کی تجارتی پالیسی نے بنگال کی ململ اور پارچہ بافی کی صنعتوں کو ختم کر دیا۔ انگریزوں نے صوبے کے نیل کے کاشتکاروں کو تباہ کر دیا۔

---

۱۔ I. H. BURESHI, ASHORT HISTORY OF PAKISTAN, BOOK FOUR, P.80 University of Karachi, 1967.



چند سال میں اپنی سیاسی قوت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں نے روزگار کے تمام مواقع کھو دیے۔ ان سے املاک چھین لی گئیں اور انہیں تعلیمی فوائد سے محروم کر دیا گیا۔ خوشحالی کی معراج سے وہ مفلسی کے غار میں گر پڑے۔ ایک اعلیٰ تہذیب یافتہ، روشن خیال اور خوشحال قوم پسماندہ اور مفلس لوگوں میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور مصنف ہنٹر رقم طراز ہے۔

"۱۷۰ سال پہلے بنگال میں ایک امیر مسلمان کے بچے کے لئے غریب بن جانا
قریب قریب ناممکن تھا مگر اب اس کے لئے امیر رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔" [1]

مئی ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا۔ اس کا تمام تر ذمہ دار مسلمان کو ٹھہرایا گیا۔ مسلمانوں نے اس کو جنگ آزادی سے تعبیر کیا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت نے کمپنی کے اقتدار کا چراغ گل کر دیا اور برطانوی حکومت نے برصغیر میں اپنی سلطنت کی براہِ راست ذمہ داری سنبھال لی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۸۵۸ء اور ملکہ کے اعلان کے ذریعے یہ تبدیلی رونما ہو گئی۔ یکم نومبر ۱۹۴۸ء کو ملکہ وکٹوریہ نے ایک اعلان کے ذریعے کمپنی کی حکومت تاج برطانیہ کو منتقل کر دی۔ لارڈ کیننگ LORD CANNING. جو کمپنی کا آخری گورنر جنرل تھا ہندوستان کا پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔

۱۹۰۵ء میں وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱) مشرقی بنگال اور آسام (۲) مغربی بنگال۔ مشرقی بنگال اور آسام جس کا دارالحکومت ڈھاکہ قرار دیا گیا۔ مغربی بنگال جس کا دارالحکومت کلکتہ قرار دیا گیا۔ مشرقی بنگال اور آسام میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اس لئے بنگال کی تقسیم مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی البتہ ہندوؤں کی اجارہ داری پر زد پڑی۔

"تقسیم بنگال کا فیصلہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء میں سنایا گیا اور نئے صوبے نے
۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے اپنا کام شروع کر دیا۔ اس کی راجدھانی ڈھاکہ تھا۔" ۲

---

۱۔ I. H. BURESHI ASHORT HISTORY OF PAKISTAN, BOOK FOUR P.134 UNIVERSITY OF KARACHI, 1967

۲۔ ABDUL HAMID MUSLIM SEPARATISM IN INDIA ABRIEF SURVEY 1958, 1947 P.52

"تقسیم بنگال کی وجہ سے ہندو اور مسلمانوں میں زبردست کشیدگی پیدا ہوگئی۔ برطانوی مال (سوادیشی) کا بائیکاٹ ہندوؤں نے کردیا۔ گھروں میں سوادیشی سامان رکھنا منع تھا۔ جہاں بھی ملتا تھا اسے ضبط کرلیا جاتا تھا اور جلا دیا جاتا تھا ہسپتالوں میں مریضوں نے انگریزی دوائیں استعمال کرنے سے انکار کردیا تھا طلباً نے دوسرے طلباء پر حملہ کرنا شروع کردیا تھا اگر وہ انہیں سوادیشی کپڑا پہنے دیکھتے تھے اور طلباء نے امتحان کے سوالات کا جواب دینے سے بھی انکار کردیا اگر وہ درآمد کئے ہوئے کاغذ پر ہوتا تھا۔ ٹیگور نے کلکتہ یونیورسٹی کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ ایسے اسٹور جن میں سوادیشی سامان تھا انہیں گاہکوں سے روکا گیا تھا اور انہیں اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے پکٹ کرتے تھے۔ تحریک نے مقامی WEAVING اور TEXTILE INDUSTRY کو فروغ دیا۔ انڈین نیشنل کانگریس نے بائیکاٹ کی حمایت کی مگر اسے صرف بنگال تک محدود رہنے کی ہدایت کی۔ بنگالی لیڈروں نے برٹش پارلیمنٹ سے اپیل کی کہ بنگال کی تقسیم منسوخ کی جائے۔"[1]

نومبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے خواجہ سلیم اللہ نے ایک سرکلر جاری کیا جس میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لئے ALLINDIA MUSLIM CONFEDERACY (کل ہند مسلم وفاق) کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ بہت سے لوگ ڈھاکہ میں جمع ہوئے اور دسمبر ۱۹۰۶ء میں انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ بنائی۔ مہدی علی اور مشتاق حسین جو سرسید احمد خاں کے دست راست تھے مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکریٹری مقرر کر دیے گئے۔ لیگ کا مرکزی دفتر علی گڑھ قرار پایا اور آغا خان کو صدر منتخب کیا گیا۔ ایک قرارداد کے ذریعے بنگال کی تقسیم کی توثیق کی گئی اور اس کے خلاف ایجی ٹیشن کی مذمت کی۔ دسمبر ۱۹۱۱ء میں بادشاہ جارج پنجم ہندوستان آیا اور ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بنگال کی تقسیم کو ختم کر دیا۔

پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں بنگالیوں کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت جو مسلم لیگ کا

1- ABDUL HAMID MUSLIM SEPARATISM IN INDIA ABRIEF SURVEY 1958,1947 P.56



سالانہ اجلاس منعقد ہوا اس میں قرارداد پاکستان ایک ممتاز بنگالی رہنما مولوی فضل الحق نے پیش کی تھی۔ اس قرارداد میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ بعد میں ان ہی مولوی فضل الحق کو دسمبر ۱۹۴۱ء میں مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں جو پاکستان پر ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۹۶ فیصد بنگالی مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیے۔ مسلم لیگ نے آسام کی ۳۴ نشستوں میں سے ۳۱ جیت لیں اور بنگال کی ۱۲۱ نشستوں میں سے ایک سو تیس پر شاندار کامیابی حاصل کی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آگیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور مجلس دستور ساز کے پہلے صدر ہو گئے۔ لیکن قائداعظم پاکستان کی تعمیری سرگرمیوں کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکے کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وصال کر گئے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد مغربی اور مشرقی بازو کو متحد رکھنے والا کوئی نہ رہا۔

تقسیم کے بعد مشرقی پاکستان میں کلیدی حیثیتوں پر فائز ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد نے مغربی بنگال جانے کا فیصلہ کیا۔ صرف چند تعلیم یافتہ مسلمان ہندوؤں کی خالی جگہوں کو پر کر سکے۔ مشکل سے ہی کوئی پیدائشی مشرقی پاکستانی ہوگا جو سابقہ آل انڈیا سول سروس میں داخل ہوا ہو۔ جو تھے بھی وہ قائم مقام حیثیتوں میں تھے۔ بالکل یہی حالت صوبائی سروس میں تھی۔ قیام پاکستان کے وقت انڈین سول سروس میں صرف ایک بنگالی مسلمان تھا۔ مشکل ہی سے کوئی مشرقی پاکستانی آرمڈ سروس میں کمیشن کے عہدہ پر فائز ہوا ہو۔ فوجی پیشہ بنگالی نسل کے لوگوں میں کبھی مقبول نہیں رہا اور برطانوی تجربات اس سمت میں پہلی جنگ عظیم کے دوران حوصلہ افزا نہ تھے اگرچہ کچھ جفاکش مضبوط بحریہ کے افراد چٹاگانگ علاقہ کے قدیم رسوا سمندری ڈاکے کے لئے انڈین نیوی میں بھرتی کئے گئے تھے۔ جو مسلمان ہندوستان سے مشرقی پاکستان ہجرت کر کے آئے ان میں اکثریت بہار سے آئی۔ زیادہ تر بہاری کاشتکار اور دکاندار طبقوں سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ وہ جانے والے ہندوؤں کے خلا کو پورا نہ کر سکے۔ وہ ہندو جنہوں نے کہ مشرقی پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا تعداد میں ۹۰ لاکھ تھے ان میں سے زیادہ تر تعداد کم آمدنی والے طبقے کی تھی۔ یہ بھی اپنی برادری کے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار

افراد کے جانے کی کمی کو پورا نہ کرسکے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں بہت کم لوگ تھے جنہوں نے ملک کے انتظام کے لئے مہارت اور تجربہ کی ضروریات کو مہیا کیا۔ صدیوں سے ہندوؤں نے مشرقی پاکستانیوں کا استحصال کیا تھا جس نے ان کو ماہرانہ صلاحیتوں سے محروم کردیا تھا۔

آزادی کے بعد قائداعظم کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان کے ساتھ کشمیر DIVISION OF THE INDUS VALLEY RESOURCES اور دوسرے جھگڑے کے مسائل کھڑے ہوگئے۔ اگرچہ یہ معاملات مشرقی پاکستان سے متعلق نہ تھے لیکن یہ مغربی پاکستان کی بقا کے مفادات پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ان مسائل نے مرکزی حکومت کی توجہ کے ایک بڑے حصے کو اس جانب مبذول کردیا۔ مغربی پاکستان میں نظم ونسق کی تشکیل کے لئے آل انڈیا سول سروس کے کچھ تربیت یافتہ ممبران موجود تھے لیکن مشرقی پاکستان میں کچھ بھی نہ تھا چنانچہ مشرقی پاکستان کے لئے مغربی پاکستان سے افسران کا تقرر کیا گیا۔ مشرقی پاکستانی ابتدا ہی سے مغربی پاکستان سے افسران کی تعیناتی پر ناخوش تھے۔ مغربی پاکستان والوں کو یہ شکایت تھی کہ مشرقی پاکستانی ان کے ساتھ باہر آنے والوں کا سا سلوک کرتے ہیں جو نہ تو اپنی ہی مدد کرتے ہیں اور نہ کسی کو اپنا مدد کرنے دیتے ہیں۔ اس طرح ابتدا ہی میں مشرقی اور مغربی بازو کے مابین بداعتمادی کی فضا پیدا ہوگئی۔

مشرقی پاکستان کی اقتصادیات کا زیادہ تر انحصار پٹ سن کی فصل پر تھا۔ تقسیم سے پہلے پٹ سن کی فصل کلکتے کے مارواڑی تجارتی پیشہ افراد کے ہاتھوں میں تھی اور وہی اس کے کرتا دھرتا تھے۔ تقسیم کے بعد مارواڑی اثر ختم ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں پٹ سن کا ایک بھی کارخانہ نہ تھا۔ تقسیم کے بعد حکومت پاکستان نے فصل کی فنانس کے لئے ایک قومی بینک قائم کیا۔ قائداعظم نے مشرقی پاکستان کے لئے ایک اچھا برطانوی گورنر بھی نامزد کیا۔

مشرقی پاکستانیوں کا ہندوؤں نے برسوں استحصال کیا تھا چنانچہ وہ توقع کررہے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد ان کی تکالیف دور ہوجائیں گی۔ بلاشبہ وہ اس کے مستحق بھی تھے۔ بنگالی جانتے تھے کہ وہ پاکستان کی آدھی سے زیادہ آبادی ہیں اور ان کی پٹ سن کی فصل پورے ملک



میں تجارتی برآمدات کا سب سے بڑا ذریعہ اور غیرملکی زرمبادلہ کا اہم ذریعہ ہے۔ بنگالی یہ سن کر آزردہ ہوگئے جب کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ مغربی پاکستان کے لوگوں کو قومی معاملات میں بالادستی حاصل ہوجائے گی۔ قائداعظم اس نازک صورت حال سے واقف تھے۔ قائداعظم نے اعلان کیا۔

"مشرقی پاکستانیوں کو قومی معاملات میں مکمل حصہ لینے کا موقع دینا چاہیئے۔" ۱

پاکستان بن تو گیا لیکن اس کے پڑوسی ہندوستان نے اسے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ پاکستان کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان نے اپنی تمام تر توجہ اپنے مضبوط دفاع پر مرکوز کردی۔ اس کے برخلاف پاکستان نے حسب ضرورت اقدام نہیں کیا۔

مشرقی پاکستان دفاعی اعتبار سے غیر محفوظ علاقہ تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ تھا اور ان دونوں بازوؤں کے درمیان ان کا طاقتور دشمن ہندوستان تھا جو پاکستان کے ظہور کے ابتدائی دنوں ہی سے اس کے خاتمے کا منتظر تھا جنگ ہونے کی صورت میں ہندوستان مشرقی پاکستان کی فضائی اور بحری ناکہ بندی کرسکتا تھا مغربی پاکستان جو کہ فوجوں کا ہیڈ کوارٹر تھا ناکہ بندی ہونے کی صورت میں مشرقی پاکستان کی مدد کرنے کے قابل نہ تھا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین قومی رابطے اور تعلق کو بری طرح مجروح کیا۔

درحقیقت ۱۹۶۵ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان کو بالکل بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ شاید اس وقت ہندوستان کی پالیسی یہ نہ تھی کہ وہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرے ورنہ اس کا ایک ہی حملہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے اسی وقت ہی علیحدہ کردیتا۔ شیخ مجیب الرحمن نے کہا:

"مغربی پاکستان کا اسلحہ اور دولت مشرقی پاکستان کے کس کام آسکتی ہے جبکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ذرائع آمدورفت چھ سیکنڈ میں ختم کئے جاسکتے

---

۱- LF. RUSHBROOK WILLIAMS. THE EAST PAKISTAN TRAGEDY. P.19

ہیں۔ کیا حالیہ، اردو زبان کی جنگ ہماری مکمل لاچاری کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟"۱

پاکستان وہ منفرد ملک ہے جس کے دو بازوؤں مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں بازوؤں کے لوگ تمام معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے سوائے دو چیزوں کے اوّل یہ کہ مشترکہ مذہب رکھتے تھے دوئم یہ کہ مشترکہ جدوجہد سے انہوں نے آزادی حاصل کی تھی۔ یہ صرف دو نکات تھے جو پاکستان کے دونوں بازوؤں میں مشترک تھے ان دو باتوں کے علاوہ زبان، روایت، ثقافت، لباس رواج، کیلنڈر اور معیاری وقت دونوں بازوؤں کا ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

قائداعظم کی زندگی ہی میں مشرقی پاکستان میں زبان کا مسئلہ کھڑا کر دیا گیا۔ قائداعظم اپنی علیل طبیعت کے باوجود مشرقی پاکستان گئے اور وہاں ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے واضح الفاظ میں آپ سے یہ کہنا ہے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ آپ کی معمول کے مطابق زندگی میں خلل واقع ہو رہا ہے۔ جہاں تک آپ کی زبان کا تعلق ہے یہ بالآخر آپ کے لئے ہے۔ اس صوبے کے لوگوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کے صوبے کی کیا زبان ہونی چاہیئے۔ لیکن میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور کوئی دوسری زبان نہیں۔ جو کوئی تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم استحکام کے ساتھ متحد نہیں رہ سکتی۔"۲

قائداعظم مشرقی پاکستانیوں کے درمیان عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس لئے مشرقی پاکستانی ہر اس انتظام کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے جو قائداعظم تجویز کرتے تھے چنانچہ قائداعظم کی نصیحت کا لوگوں پر اثر ہوا اور زبان کا مسئلہ دب گیا لیکن قائداعظم کی وفات کے

---

۱۔ شیخ مجیب الرحمن۔ ۶ نکات۔ مطبوعہ ستارہ پاکستان پریس ڈھاکہ، صفحہ نمبر ۱۶

۲۔ KEITH CALLARD, PAKISTAN A POLITICAL STUDY , P.182



بعد مشرقی پاکستان میں زبان کا مسئلہ دوبارہ اٹھا دیا گیا۔ قوم پرست عناصر نے زبان کے مسئلہ پر بنگالیوں کو بھڑکایا۔ اپنی زبان سے جذباتی لگاؤ فطری ہے۔ زبان کے مسئلے کو نظر انداز ہوتے دیکھ کر بنگالیوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے تین طلباء اس مسئلے پر ہونے والے ہنگاموں میں جاں بحق ہو گئے۔ انجام کار ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی نے بنگالی کو بھی اُردو کے ساتھ سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ زبان کے مسئلے پر ٹھوس موقف اختیار کرنا چاہیئے تھا اور بنگالیوں کو مطمئن کرنا چاہیئے تھا یا زبان کے مسئلے کو ابتداء ہی میں حل کر دینا چاہیئے تھا چونکہ زبان کے مسئلے پر بنگالیوں میں جو نفرت مغربی پاکستان کے خلاف پیدا ہوئی وہ نہ ہوتی۔

بنگالیوں کو مغربی پاکستانیوں سے زبردست گلہ معاشی تھا۔ بنگالی لیڈر کہتے تھے کہ مغربی پاکستان ہمارا مالی اور اقتصادی استحصال کر رہا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد معاشی ترقی کے لئے کافی کوششیں کی گئیں مگر بدقسمتی سے مغربی پاکستان میں ترقی کی رفتار مشرقی پاکستان سے کافی زیادہ تیز رکھی گئی۔ وفاقی خزانہ مغربی پاکستان میں تھا چنانچہ سرکاری آمدنی کا بیشتر حصہ مغربی پاکستان پر ہی صرف کر دیا جاتا۔ بجٹ کا خاصا بڑا حصہ دفاع پر خرچ ہو جاتا۔ مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تعصبات تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے دفاع کے معاملے میں بھی ساری توجہ مغربی پاکستان پر مرکوز تھی۔ ترقیاتی اخراجات اور بیرونی قرضوں کا بڑا حصہ بھی مغربی پاکستان میں خرچ ہوتا۔ مشرقی پاکستان کا پٹ سن پاکستان کے زر مبادلہ کا سب سے بڑا ذریعہ تھا مگر زرمبادلہ کا بہت بڑا حصہ بھی مغربی پاکستان کی صنعتی ترقی پر صرف کر دیا جاتا۔ ۱۹۷۰ء میں حکومت پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کے لئے ماہرین کے ایک گروپ نے مطالعاتی رپورٹ مرتب کی۔ اس میں اعداد و شمار کے حوالے سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں بڑھتی ہوئی معاشی عدم مطابقت کی تصویر کھینچی گئی اس رپورٹ میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے عام شہریوں کی فی کس آمدنی میں بہت زیادہ فرق دکھایا گیا تھا اسی معاشی عدم مطابقت کو اعداد و شمار سے ثابت کر کے بنگالی لیڈروں نے مغربی پاکستان کے خلاف بنگالیوں میں نفرت پیدا کر دی۔

مشرقی پاکستان کے ۱۲۹۰ ہائی اسکولوں اور ۴۷ کالجوں میں سے ۹۵ فیصد ادارے ہندوؤں کے پرائیویٹ انتظام میں تھے۔ پاکستان کی نئی نسل جوان اسکولوں میں ہندو اساتذہ سے ہندوؤں کی تصنیف کردہ نصابی کتابیں پڑھتی رہتی۔ ان کے افکار اور ذہن ہندوستانی پروپیگنڈے اور تعلیمات سے متاثر ہوتے رہے چونکہ ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی اور انتظام نہیں تھا اور درس و تدریس کا انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ ان بچوں نے ہندوستانی پروپیگنڈے کو حقیقت جانا۔ یہاں تک کہ پاکستان کا تصور ان کے دلوں سے محو ہوتا چلا گیا چوبیس برس میں مشرقی پاکستانی طلباء کو جس قسم کی تعلیم دی گئی اور جس طرح بھارتی پروپیگنڈے سے انہیں بدظن کیا گیا اس کے زیر اثر وہاں کا نوجوان طبقہ بالخصوص طلباء اپنے آپ کو پاکستانی سمجھنے کی بجائے بنگالی کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ انہیں اسباب کی وجہ سے سب سے پہلے جو لوگ پاکستان اور اس کے نظریہ سے بیزار ہوئے وہ طلبا کی بڑی تعداد تھی۔

بنگالی پاکستان کی آدھی سے زیادہ آبادی تھے۔ بنگالیوں کو اقتدار سے محروم رکھنے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے۔ آئین کی تدوین میں غیر ضروری تاخیر کی گئی۔ زبان کے مسئلے کو تاخیر سے حل کیا گیا۔ صوبائی خود مختاری کے مسئلے پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ مقننہ میں بنگالیوں کی اکثریت کو ختم کرنے کے لئے مساوی نمائندگی کا اصول نافذ کیا گیا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ایک پنجابی گورنر جنرل غلام محمد نے پاکستان کے بنگالی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ون یونٹ کے قیام کی تجویز پیش کی اور مشتاق احمد گورمانی ون یونٹ کی انتظامی کونسل کے صدر مقرر ہو گئے۔ ون یونٹ کا قیام ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو عمل میں آیا۔ ۱۹۵۶ء تک پاکستان کے دوسرے صوبے کا نام مشرقی بنگال تھا۔ ۱۹۵۶ء کے دستور میں مشرقی اور مغربی پاکستان کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو آئین ساز اسمبلی نے پاکستان کے پہلے آئین کا مسودہ منظور کر لیا جس کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔ بنگالیوں کو حکومت کرنے کا بہت کم موقع دیا گیا صرف ۱۹۵۶-۵۷ء



کے تیرہ (۱۳) ماہ میں حسین شہید سہروردی کی وزارت کے دوران بنگالیوں کو قومی سیاست میں تھوڑا بہت کردار ادا کرنے کا موقعہ ملا۔

مشرقی پاکستان میں ایک طبقہ متحدہ بنگال کا بھی حامی تھا۔ بنگال کے مشہور رہنما حسین شہید سہروردی نے ۱۹۴۷ء میں متحدہ بنگال کے قیام کے لئے کوشش کی تھی لیکن قائد اعظم اور بنگالی مسلمانوں کی اکثریت نے اس کو ناکام بنا دیا۔ سہروردی ۱۹۳۶ء سے بنگال میں مسلم لیگ کے ایک اہم ممبر رہے تھے اور متحدہ بنگال کے آخری وزیر اعلیٰ تھے۔

"مسٹر جناح انہیں پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ انہیں شبہ تھا کہ سہروردی زبان سے تو پاکستان کے حق میں بولتے ہیں مگر خفیہ طور پر ان کے اپنے ارادے یہ تھے کہ ایک خود مختار بنگال ہندوستان سے بنالیں جسے الگ ریاست کی طرح چلایا جائے جو مسٹر جناح کے کنٹرول سے باہر ہو۔"[۱]

حسین شہید سہروردی نے مسلم لیگ کو بہت نقصان پہونچایا۔ انہوں نے اپنی جماعت عوامی لیگ کو مسلم لیگ سے ممتاز کرنے کے لئے زبردست کوشش کی۔ ۸ مئی ۱۹۵۳ء کو ڈھاکہ میں قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اول ہم مملکت کو پارٹی کے ذریعے نہیں پہچانتے وزارت اور نظامت کو بلکہ ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں اور فاشی ازم کے خلاف ہیں۔ دوئم ہم یقین رکھتے ہیں کہ حزب اختلاف صحیح جمہوریت کے کام کرنے کے لئے ضروری ہے صرف یہی ایک اثر ہے جو حکمران کے عمل کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور عوامی رائے کو فروغ دے سکتا ہے۔ مسلم لیگ اس کے برعکس اختلاف کو بغاوت سے تعبیر کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ سوائے اس کے دوسری جماعتیں نہیں ہوں گی اور تمام جماعتوں کا وجود کچل دیا جائے گا۔"[۲]

بنگال کے ایک اور رہنما مولانا بھاشانی جو کہ آسام مسلم لیگ کے ایک سابق صدر تھے یہ محسوس کیا کہ لیگ عوام سے دور ہوتی جارہی ہے اور انہوں نے بھی حکومت پر تنقید شروع کر دی۔

---

۱- MOSLEY LEONARD, THELAST DAYS OF THE BRITISH RAJ. P.32

۲- KEITH CALLARD, PAKISTAN A POLITICAL STUDY. P.70

مسلم لیگ نے پاکستان کی جنگ لڑی تھی اس لئے اسے تقسیم کے بعد قومی یکجہتی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ۹ برس حکومت کرنے کے بعد مسلم لیگ پس منظر میں چلی گئی۔ مشرقی پاکستان میں، سالہ متواتر اور نااہل حکومت نے مسلم لیگ کو پارہ پارہ کر دیا۔ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان کے انتخابات میں متحدہ محاذ کے ۲۱ نکاتی پروگرام نے مسلم لیگ کو شکست فاش دی۔ ایک طالب علم کے مقابلے میں وزیر اعلیٰ ہار گئے۔ تمام وزراء اپنی نشستیں کھو بیٹھے۔ ۳۱۰ نشستوں کے ایوان میں مسلم لیگ کو صرف دس نشستیں ملیں۔ متحدہ محاذ کے ۲۱ نکاتی پروگرام میں سب سے اہم یہ عبارت تھی کہ تمام طاقت حاصل کرو سوائے دفاع۔ امور خارجہ اور کرنسی کے مشرقی بنگال کے لئے جسے لاہور کی تاریخی قرارداد کے مطابق خود مختار ہونا چاہیے۔ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی شکست اور مغربی پاکستان میں اس کی ناچاقی سے نئی سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں۔ اگر مسلم لیگ برسر اقتدار ہوتی تو نہ مشرقی پاکستان ہاتھ سے جاتا نہ ہمیں شکست و ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا نے ۵۶ء کے آئین کو منسوخ کر دیا۔ قانون ساز اداروں کو بند کر دیا۔ سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے دیا اور سارے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا مگر تقریباً ۳ ہفتے تک یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون حقیقت میں برسر اقتدار تھا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو تمام شبہات دور ہو گئے جب ایوب خان اقتدار پر قابض ہو گئے اور چند گھنٹوں کے اندر صدر اسکندر مرزا مستقل جلا وطن کر دیے گئے۔

"مس فاطمہ جناح نے بھی انقلاب کی حمایت کی اور مارننگ نیوز کراچی مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں اسکندر مرزا کے اخراج کا خیر مقدم کیا انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹھیک ۶ برس بعد وہ ایوب خان کے خلاف متحدہ محاذ کی طرف سے الیکشن میں حصہ لیں گی۔"[1]

۱۹۵۹ء میں صدر ایوب خان نے عوام کو بنیادی جمہوریتوں کے نظام سے روشناس کرایا۔ تمام ملک میں بنیادی جمہوریتوں کے الیکشن ہوئے جس میں ۸۰ ہزار ارکان مساوی طور پر مشرق اور مغرب سے منتخب ہوئے۔ یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو نیا آئین نافذ ہوا جس کے تحت ۸ جون ۱۹۶۲ء سے مارشل لاء ختم کر دیا گیا اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات عمل میں آئے۔ ۲ جنوری

۱۔ LAWRENCE ZIRING, THE AYUB KHANERA POLITICSIN PAKISTAN, 1958 - 1969 P.10



۱۹۶۵ء کو ملک میں صدارتی انتخابات ہوئے جن میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، محترمہ فاطمہ جناح، کے ایم کمال اور میاں بشیر احمد نے حصہ لیا۔ ایوب خان تقریباً ۵۰ ہزار ووٹ حاصل کر کے دوبارہ ملک کے صدر بن گئے۔ یہ عجیب سیاسی سانحہ تھا کہ قائد اعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ جنہوں نے ہندوستان میں مسلم لیگ کو فروغ دینے کے لئے اپنے بھائی کے شانہ بشانہ کام کیا تھا پاکستان میں مسلم لیگ کی بنیاد پر انتخاب میں حصہ نہ لے سکیں انہیں مجبوراً متحدہ محاذ کا سہارا لے کر انتخاب لڑنا پڑا۔

جب ۱۹۶۲ء کا آئین نافذ تھا مشرقی پاکستانیوں نے قومی مقننہ میں نمایاں طور پر حصہ لیا اور پارلیمانی حکومت کی ضرورت کو مضبوطی کے ساتھ پیش کیا۔ جس میں انتظامیہ مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ ۱۹۶۶ء میں شیخ مجیب الرحمان نے جو اس وقت عوامی لیگ کے جنرل سکریٹری تھے اپنے مشہور چھ نکات پیش کئے۔ تھوڑے عرصے کے بعد شیخ مجیب الرحمان کو اگرتلہ سازش کے الزام میں قید کر لیا گیا۔ یہ ہندوستانی مدد سے مشرقی پاکستان کو باقی ماندہ ملک سے علیحدہ کرنے کا منصوبہ تھا۔

ایوب خان کے دور میں سب سے بڑی سیاسی غلطی جو ہوئی وہ نومبر ۶۰ء میں یونیورسٹی آرڈیننس کا اجراء تھا جس کے مطابق کسی بھی وقت طالب علم کی ڈگری واپس لی جا سکتی تھی۔ اس شق کے خلاف ملک گیر مظاہرے شروع ہو گئے جو قابو سے باہر ہوتے چلے گئے اور دن بدن بڑھتے ہوئے ابتر حالات کے پیش نظر صدر ایوب نے اقتدار میں قائم رہنے کی آخری کوشش کی یعنی مارچ ۶۹ء میں سیاسی رہنماؤں کو گول میز کانفرنس میں مدعو کیا گیا جس کے صدر نوابزادہ نصر اللہ خان تھے۔ شیخ مجیب فوج کی حراست میں اور مسٹر بھٹو جیل میں تھے۔ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے خاتمے کے ساتھ ہی مسٹر بھٹو رہا ہو گئے۔ بھٹو اور بھاشانی نے گول میز کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔ مجیب الرحمان اگرتلہ سازش کے مقدمہ میں گرفتار تھے۔ ایوب خان اگرتلہ سازش کیس واپس لینے اور مجیب کی رہائی پر قطعاً آمادہ نہ تھے۔ مشرقی پاکستان میں اگرتلہ سازش کیس کے خلاف اس شدت سے مظاہرے شروع ہوئے کہ حالات صوبائی حکومت کے قابو سے باہر ہو گئے۔ باہر کے حالات سے بے خبر شیخ مجیب نے پیرول پر رہائی کی صورت میں گول میز کانفرنس میں شرکت منظور کر لی تھی لیکن حالات میں ڈرامائی تبدیلی آئی۔ مجیب نے

اچانک غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا۔ بصورت دیگر گول میز کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا ایوب خان کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔ بالآخر اگرتلہ کیس واپس لے لیا گیا۔ شیخ مجیب نے ایک آزاد سیاستدان کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ گول میز کانفرنس اس وقت تعطل کا شکار ہو گئی جب شیخ مجیب نے صوبائی خود مختاری کے لئے اپنے مطالبات پیش کئے۔ مغربی پاکستان کے تمام سیاسی لیڈروں نے مجیب کے مطالبات کی مخالفت کی۔ گول میز کانفرنس کے اختتام پر ایوب خان نے اعلان کیا کہ دو باتوں پر اتفاق رائے ہو گیا ہے (۱) پارلیمانی طرز حکومت کا قیام (۲) بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات۔ صدر ایوب نے بعد میں اعلان کیا کہ وہ آئندہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ جو بات اس کانفرنس میں طے نہیں ہو سکی وہ یہ تھی کہ صدر ایوب اس بات سے راضی نہیں ہوئے کہ انتخابات سپریم کورٹ کی نگرانی میں کرائے جائیں اور انتخابات سے پہلے وہ دست بردار ہو جائیں۔ بہر صورت ملک کے دونوں حصوں میں بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر صدر ایوب نے تعجب خیز ڈرامائی انداز سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو اقتدار بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد یحییٰ خان کے سپرد کر دیا اور اس طرح ملک میں ۱۱ گیارہ سال کے بعد دوبارہ مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ آئین کی رو سے صدر ایوب خان کو یہ عہدہ قومی اسمبلی کے اسپیکر کو سونپنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایوب خان اگر چاہتے تو یکایک اپنے دستبردار ہونے کا اعلان کرنے کے بجائے قوم کے سامنے پر خلوص انداز سے جلد از جلد بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہونے کا اعلان بھی کر سکتے تھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتے تو بہت ممکن تھا کہ قوم و ملک ان حالات سے دوچار نہیں ہوتا جو یحییٰ خان کے دور اقتدار میں آجانے سے ہوا۔ جس طرح یحییٰ خان نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ملک میں غیر جانبدارانہ الیکشن منعقد کرائے اسی طرح ایوب خان بھی اقتدار چھوڑنے سے قبل اپنی زیر نگرانی ملک گیر انتخابات کرا سکتے تھے اور حالات ایسے تھے کہ قوم اس وقت ان کا یہ اقدام خوشی سے قبول کر لیتی۔ چنانچہ جو کچھ یحییٰ خان کے دور میں ہوا اس کی بھی ذمہ داری بنیادی طور پر ایوب خان کے آخری اقدام پر عائد ہوتی ہے۔



## باب ۲

# بحالی جمہوریت کے لئے صدر یحییٰ کی کوشش

فیلڈ مارشل ایوب خان کے اقتدار سے دستبردار ہونے کے بعد جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھال لیا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر یحییٰ خان نے اپنی نشری تقریر میں قوم کے سامنے اعلان کیا کہ ان کا پہلا کام عوام کی جان و مال اور آزادی کی حفاظت کرنا، ملک کو ہوشمندی کی طرف واپس لانا اور آخر میں ان حالات کا پیدا کرنا ہے جن میں آئینی حکومت کی بحالی ممکن ہو جائے۔ ۲۶ مارچ ۶۹ء سے ۲۵ مارچ ۷۱ء تک صدر یحییٰ نے ملک میں جمہوریت بحال کرنے کے لئے کتنی مخلصانہ کوشش کی اس کا اندازہ ان کی نشری تقریروں سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے دو سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً اپنے اقدام سے آگاہ کرنے کے لئے کیں۔ انہوں نے ہر گام پر عوام کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت پیش کیا اور یقین دلایا کہ وہ قوم کے منتخب کردہ نمائندوں کو جلد از جلد اقتدار سونپنے کے لئے بے قرار ہیں۔ انہوں نے بار بار تمام سیاسی پارٹیوں کو یقین دلایا کہ انکی حکومت انتخابی سرگرمیوں میں غیر جانبدار رہے گی۔ جولائی ۶۹ء میں صدر نے سیاسی لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ ملک کے مسائل حل کرنے کے لئے مل جل کر کام کریں۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر کسی گروہ یا جماعت نے اسلام کے اصولوں یا پاکستان کے استحکام کے خلاف قدم اٹھایا تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ جولائی کی اس نشری تقریر میں صدر نے مشرقی پاکستان کے لوگوں میں پائی جانے والی بے اطمینانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا اور اعتراف کیا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو قومی امور میں فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ صدر نے قوم کو آگاہ کیا کہ انہوں نے ملک کے دونوں بازوؤں میں عدم توازن کو ٹھیک کرنے کے لئے چند مناسب اقدام کئے ہیں مثلاً انہوں نے فوج کے چیف آف اسٹاف کو حکم دیا ہے کہ فوج میں مشرقی پاکستانیوں کی بھرتی دوگنی کر دی جائے۔ ۲۸ نومبر ۶۹ء کو صدر نے اپنی تقریر میں چند اہم مسائل کا ذکر کرتے ہوئے قانونی ڈھانچے کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے تحت ملک میں عام انتخابات ہونا تھے اور

قومی اسمبلی معرض وجود میں آئی تھی۔ صدر نے کہا کہ قومی اسمبلی ملک کے لئے ایک نیا آئین مرتب کرے گی۔ یہ آئین پاکستان کے عوام کے لئے گھل مل کر رہنے کا ایک مقدس عہد نامہ ہوگا۔ صدر کے اس انتباہ سے اس الزام کی ہمیشہ کے لئے نفی ہو جاتی ہے کہ ۷۰ء کے انتخابات میں عوامی لیگ کی نمایاں کامیابی سے بوکھلا کر صدر نے جمہوریت کی بحالی کا منصوبہ بدل دیا۔ نومبر ۶۹ء ہی میں صدر کی دور رس نگاہوں نے آنے والے خطرات کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے قوم کو آگاہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرقی پاکستان سے منتخب ہونے والے نمائندے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر وفاق کی دوسری اکائیوں کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔ اسی نشری تقریر میں صدر نے یقین دلایا کہ مارچ ۷۰ء تک عبوری قانونی ڈھانچہ شائع ہو جائے گا۔ پھر ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ جون ۷۰ء تک انتخابی فہرستیں تیار ہو جائیں گی اور انتخابی حلقے مکمل ہو جائیں گے۔ اس تقریر میں انہوں نے عام انتخابات کے لئے ۵ اکتوبر ۷۰ء کی تاریخ مقرر کی اور واضح کیا کہ قومی اسمبلی کو اپنے پہلے اجلاس سے ۱۲۰ دن کے عرصے میں آئین بنانے کا کام ختم کرنا ہوگا۔ اگر قومی اسمبلی اپنے فرض کی انجام دہی میں ناکام ہوئی تو قوم کو دوبارہ انتخاب میں حصہ لینا ہوگا۔ انہوں نے مرکز اور وفاقی اکائیوں میں قانون سازی اور مالی اختیارات کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگ جو آپس میں تاریخی، ثقافتی اور روحانی ورثے کے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں وفاقی اکائیوں کی جائز خواہشات پوری کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی منصوبہ بنالیں گے۔ صدر نے اعلان کیا کہ پرامن اقتدار کی منتقلی کے لئے مارشل لاء لازمی طور پر نافذ رہے گا۔ لیکن ۱۹۷۰ء کے پہلے دن ہی سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھالی جائے گی۔ جنوری ۷۰ء سے مشرقی پاکستان میں انتخابی مہم زور و شور سے شروع ہو گئی۔ ابتدا ہی سے عوامی لیگ یہ چاہتی تھی کہ سوائے اس کے دوسرے جماعتوں کے جلسے اور جلوس کامیاب نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ ۱۸ جنوری ۷۰ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں عوامی لیگ نے جماعت اسلامی کے ایک عظیم الشان جلسے کو درہم برہم کر دیا۔ جس میں سرکاری اطلاع کے مطابق ایک آدمی ہلاک اور پانچسو زخمی ہو گئے۔ اکیس جنوری ۷۰ء کو نرائن گنج میں پاکستان جمہوری پارٹی کے جلسے کو منتشر کر دیا گیا۔ اس کے دوسرے



دن ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے دفتر پر حملہ ہوا، فرنیچر تباہ کر دیا گیا اور جماعت کا لٹریچر نذر آتش کر دیا گیا۔ دوبارہ یکم فروری ۷۰ء کو پاکستان جمہوری پارٹی کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کے جلسہ عام کو ناکام بنا دیا گیا اور بہت سے آدمی زخمی ہو گئے جن میں نظام اسلامی پارٹی کے مولوی فرید احمد بھی شامل تھے۔ چٹاگانگ کے دو اخبارات کے دفاتر کو تباہ کر دیا گیا جنہوں نے عوامی لیگ کے پروگرام کی مخالفت کی تھی۔ متاثرہ جماعتوں نے رسمی طور پر اس بدنظمی پر احتجاج کیا مگر بے سود۔ صدر کی ہدایت کے مطابق ارباب حکومت کو بہرصورت غیر جانبدار رہنا تھا۔ بدقسمتی سے حکومت کے اس رویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوامی لیگ کو اپنے سیاسی حریفوں کو زبردستی کچلنے کے لئے کھلی چھٹی مل گئی اور مشرقی پاکستان کے لوگوں پر یہ تاثر قائم ہوا کہ عوامی لیگ ان کے حقوق کے لئے مستعدی کے ساتھ کمربستہ ہے۔ جو کچھ عوامی لیگ اپنے بے گناہ حریفوں کے خلاف کر رہی تھی بالکل ایسا ہی سلوک نازی ازم کے عروج سے قبل ہٹلر کے حامیوں نے جرمنی میں امراء طبقے کے ساتھ کیا تھا۔

انتخابی سرگرمیوں کے تشدد آمیز رجحانات سے صدر پریشان تھے انہوں نے ۲۸ مارچ ۷۰ء کو اپنی نشری تقریر میں قوم کو متنبہ کیا کہ یہ سیاسی لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ اپنا اثر استعمال کر کے بدنظمی اور قانون شکنی کو دبائیں۔ انہوں نے کہا کہ قوم ایسے نازک وقت میں بدنظمی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ صدر نے اپنی نشری تقریر میں قوم کو مطلع کیا کہ یکم جولائی ۷۰ء سے چوتھے پانچ سالہ منصوبے پر کام شروع ہو جائے گا۔ سماجی انصاف پر زور دیا جائے گا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں اقتصادی عدم مساوات دور کی جائے گی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں سیلاب پر قابو پانے کے جامع منصوبے کا ذکر کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ۳۰ مارچ ۷۰ء کو قانونی ڈھانچہ شائع ہو جائے گا اور یکم جولائی ۷۰ء کو ون یونٹ توڑ دیا جائے گا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے ممبروں کی کل تعداد ۳۱۳ ہو گی جس میں ۱۳ نشستیں عورتوں کے لئے مخصوص ہوں گی۔ صوبائی اسمبلیوں کے لئے ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر نشستیں مقرر کی جائیں گی۔

۲۸ جولائی ۷۰ء کو صدر نے سارے ملک کی انتخابی سرگرمیوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ابھی تک تشدد ختم نہیں ہوا ہے۔ جماعتوں میں نفاق بڑھایا جا رہا ہے اور مفاہمت کے

جذبے کا فقدان ہے۔ صدر نے صوبائی اور مقامی رجحانات پرنا پسندیدگی کا اظہار کیا اور عوام سے تحمل اور قومی یک جہتی کی اپیل کی۔ انہوں نے تنبیہ کیا کہ سیاسی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے مارشل لاء حکام نے ارادتاً اپنے اختیارات سے کام نہیں لیا ہے لیکن اس طرز عمل کو حکومت کی کمزوری پر محمول نہیں کیا جانا چاہیئے۔ صدر نے یقین دلایا کہ ان کی حکومت تمام سیاسی پارٹیوں کے ساتھ غیر جانبداری کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ جب کہ انتخابات کے لئے تمام سرکاری انتظامات مکمل ہو چکے تھے مشرقی پاکستان میں ماہ ستمبر میں قیامت خیز طوفان آگیا۔ لہٰذا صدر کو مجبوراً انتخابات کی تاریخ ۷، دسمبر ۷۰ء تک بڑھانی پڑی۔ ۳، دسمبر ۷۰ء کو صدر نے اپنے اعلان میں سیلاب زدگان کی مدد کا ذکر کیا اور قوم کی طرف سے بیرونی امداد دینے والے ممالک کا شکریہ ادا کیا۔ صدر پاکستان ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے اس قدر بے تاب تھے کہ حالانکہ مشرقی پاکستان میں ۸، قومی اسمبلی کے حلقے اور اکیس صوبائی اسمبلی کے حلقے طوفان سے متاثر ہوئے تھے۔ اگر صدر چاہتے تو بآسانی انتخابات ملتوی کر سکتے تھے مگر انہوں نے ۷، دسمبر ۷۰ء کو انتخابات کی تاریخ برقرار رکھی۔ انہوں نے ملک و قوم کو یاد دلایا کہ ۲۶، مارچ سے آج تک حالات نے کتنے رخ بدلے ہیں۔ اقتدار کی منتقلی کے بارے میں صدر نے اپنے پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک میں جمہوریت منزل بہ منزل قائم ہو جائے گی۔ پہلی منزل ۔ ۷، دسمبر کو انتخابات ہونگے دوسری منزل۔ قومی اسمبلی آئین مرتب کرے گی۔ تیسری منزل۔ منتخب شدہ نمائندوں کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ چوتھی اور آخری منزل۔ اقتدار اعلیٰ کی منتقلی اور مارشل لاء کا خاتمہ۔



باب ۳

## عوامی لیگ کا منشور اور اس پر تبصرہ

عوامی لیگ کے منشور نے ایسی نزاعی صورت حال پیدا کر دی کہ انتخابات کے بعد قومی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس منعقد نہ ہو سکا۔ اس دستاویز کی مختلف تاویلیں پیش کی گئیں۔ اس لئے اس منشور کا تفصیلی جائزہ لیا جانا چاہیئے۔ عوامی لیگ مشرقی اور مغربی دونوں بازوؤں میں کل پاکستان پارٹی کی حیثیت سے اپنے بانی حسین شہید سہروردی کے زیر قیادت منظم تھی اور قومی اسمبلی میں متحدہ حزب اختلاف کی سب سے طاقتور جماعت تھی۔ لیکن ۶۶ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے جو اس وقت پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکریٹری تھے۔ اپنے ۶ نکات مرتب کرکے پارٹی کی ملک گیر حیثیت پر کاری ضرب لگائی۔ حالانکہ اس میں مغربی پاکستان کی خوش حالی کا کوئی ذکر نہیں مگر ۶ نکات ملک کی سالمیت، عوام کی خوشحالی، بین الصوبائی اعتماد اور قومی اتحاد کے لئے ایک اہم دستاویز کی صورت میں پیش کئے گئے۔ یہ دستاویز شیخ مجیب الرحمٰن صدر آل پاکستان عوامی لیگ کے الفاظ میں ستارہ پاکستان پریس ڈھاکہ سے شائع ہوئی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنی تصنیف میں ۶ نکات کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ قابل ذکر ہے۔

(۱) پہلا نکتہ۔ آئین کے تحت قرارداد لاہور کی بنیاد پر صحیح معنوں میں پاکستان کا وفاق قائم کیا جائے جس میں پارلیمانی نظام حکومت ہو اور مقننہ کو بالادستی حاصل ہو۔ یہ مقننہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست منتخب ہو جائے۔ (۲) دوسرا نکتہ۔ وفاقی حکومت کو صرف دو معاملات میں اختیارات حاصل ہوں۔ دفاع اور امور خارجہ۔ باقی تمام امور کے اختیارات وفاق کو تشکیل دینے والی ریاستوں کی تحویل میں ہوں (۳) تیسرا نکتہ۔ (الف) دونوں بازوؤں کے لئے دو جداگانہ اور آزادی سے قابل مبادلہ ہائے زر نظام رائج کئے جائیں۔ (ب) پورے ملک کے لئے کرنسی کا ایک ہی نظام ہو۔ لیکن دستور میں ایسی موثر دفعات ہونی چاہیئے جو سرمایہ کو مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان جانے سے روک سکیں۔ مشرقی پاکستان کے بنکوں میں زر

محفوظ ہو اور مشرقی پاکستان کے لئے علیحدہ مالی اور مالیاتی پالیسی اختیار کی جائے (نوٹ:۔ شیخ مجیب نے ان دونوں میں سے کوئی ایک اقدام کرنے کی سفارش کی تھی)۔ (۴) چوتھا نکتہ۔ ٹیکس لگانے اور محاصل جمع کرنے کے اختیارات وفاق کی تشکیل کرنے والی ریاستوں کو حاصل ہوں اور وفاقی مرکز کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہ ہو۔ وفاق کو اپنے اخراجات چلانے کے لئے تمام ریاستوں کے ٹیکس میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ریاستیں جو ٹیکس وصول کریں گی اس کا ایک خاص فیصد ادا کر کے وفاقی فنڈ بنایا جائے گا۔ (۵) پانچواں نکتہ۔ (الف) ملک کے دونوں بازو جس قدر زرمبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں۔ (ب) مشرقی پاکستان جو زرمبادلہ کمائے اس پر مشرقی پاکستان کی حکومت کا کنٹرول ہو۔ اسی طرح مغربی پاکستان کو بھی زرمبادلہ پر اختیار ہونا چاہیئے۔ (ج) وفاقی حکومت کے زرمبادلہ کی ضروریات وفاقی یونٹوں کی طرف سے مساوی طور پر یا طے شدہ تناسب سے پوری کی جائیں۔ (د) ملک کی مصنوعات ایک بازو سے دوسرے بازو تک آزادانہ آ جا سکیں۔ (ڈ) دستور وفاقی یونٹوں کو یہ اختیار دے گا کہ وہ ممالک خارجہ سے لین دین کے تعلقات اور تجارتی دفاتر قائم کر سکیں۔ انہیں ان کے ساتھ تجارتی معاہدے کرنے کا بھی اختیار۔ (۶) چھٹا نکتہ۔ مشرقی پاکستان کے لئے علیحدہ ملیشیا یا نیم فوجی تنظیم قائم کی جائے۔

شیخ مجیب اپنی تصنیف ۶ نکات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔ میں نے ملک کے دونوں بازوؤں کے سیاسی اور اقتصادی مسائل کے مستحکم اور پائیدار حل کے لئے بنیادی اصولوں پر مشتمل ایک ۶ نکاتی پروگرام پیش کیا ہے۔ مجھے امید تھی کہ میرے اس پروگرام پر تنقید کی جائے گی اور در حقیقت میں اس تنقید کے لئے تیار بھی تھا۔ لیکن اس پر تنقید کرنے کے بجائے ایک طبقے نے لوگوں نے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور مجھ پر انتشار پھیلانے کا الزام لگایا۔ میرا ۶ نکاتی پروگرام صحیح معنوں میں پاکستان کے کروڑوں عوام کے لئے زندہ رہنے کا حق اور ان کے دل کی آواز ہے ہمارے عوام یہ کبھی نہیں بھولیں گے کہ ماضی میں مشرقی پاکستانیوں کی طرف سے جب کوئی مطالبہ کیا گیا خواہ وہ کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو مگر مفاد پرست لوگ چیخ اٹھے اور وہی جانا پہچانا شوشہ اٹھایا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ پاکستان تباہ ہو جائے گا۔



بنگال آباد ہونا چاہتا ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اردو کے ساتھ بنگالی زبان کو بھی قومی زبان قرار دینے کے انتہائی سیدھے سادے مطالبے میں بھی ہندوستان کا خفیہ ہاتھ دیکھ لیا تھا۔

پہلا نکتہ۔ مندرجہ ذیل سات شقوں پر مشتمل ہے (۱) پاکستان ایک وفاق ہوگا۔ (۲) اس وفاق کی بنیاد قرارداد لاہور پر ہوگی (۳) اس کی حکومت کا نظام پارلیمانی ہوگا (۴) اس کی حکومت مقننہ کو جواب دہ ہوگی (۵) مقننہ کی بالادستی ہوگی (۶) مقننہ کا انتخاب براہ راست ہوگا (۷) یہ انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوگا۔ پہلے نکتہ کے بارے میں شیخ مجیب نے وفاقی اور وحدانی حکومت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کے لئے عوام سے یہ سوال کیا تھا کہ عوام کو معلوم ہونا چاہیے کہ وفاق پسند کون ہیں اور اکائی پسند کون؟ اکائی پسند لازمی طور پر قرارداد لاہور کے مخالف ہیں۔ یہ قرارداد لاہور ہے جس کے مطابق پاکستان وجود میں آیا۔ جو لوگ قرارداد لاہور کے مخالف ہیں وہ پاکستان کے ہی مخالف ہیں۔ پاکستان کے خالقوں نے قائداعظم کی دانشمندانہ قیادت میں قرارداد لاہور کے ذریعہ جو عہد کیا تھا وہ مستقبل میں افراد کی طرف سے اقتدار کی بھوک اور پیاس اور ریشہ دوانیوں کے خلاف ایک ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔ قرارداد لاہور سے ایسے وقت میں انحراف جب کہ اسی قرارداد کی بنیاد پر عوام سے ووٹ لے کر پاکستان بنایا گیا۔ محض بے ایمانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دوسرے نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ مجیب نے کہا کہ ہمیں جذبات سے الگ ہو کر اس امر پر غور کر لینا چاہیے کہ کیا ایسا مرکز جس کی تحویل میں صرف دو امور سے متعلق اختیارات ہوں اتنا مضبوط ہوگا کہ ایک باعزت وفاق بن سکے۔ یہی وہ اصول تھا جس کی بنیاد پر ۱۹۴۶ء میں کابینہ مشن نے ہندوستان کے لئے ایک ایسا وفاق تجویز کیا تھا جس میں مرکز کو صرف تین امور دیے گئے تھے۔ دفاع۔ امور خارجہ۔ مواصلات۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا تھا۔ برطانوی حکومت نے یہ اسکیم پیش کر کے اور کانگریس اور مسلم لیگ نے اس کو تسلیم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ صرف تین امور کے ساتھ تشکیل پانے والے وفاق پر سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ میری تجویز اور کابینہ پلان میں صرف یہ فرق ہے کہ کابینہ پلان میں

تین امور دیے گئے ہیں اور میں نے دو دیے ہیں۔ درحقیقت میں نے بھی مرکز کو دو نہیں بلکہ تین ہی امور دیے ہیں۔ مواصلات کی جگہ میں نے کرنسی کی سفارش کی ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں خیبر سے چٹاگانگ تک براہِ راست ریلوے لائن تعمیر اور ریل چلائی جا سکتی تھی۔ لیکن پاکستان میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ پاکستان دو مختلف جغرافیائی ٹکڑوں میں تقسیم ہے جس کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ دوسرے ملک کا علاقہ حائل ہے۔ اس لئے اس ملک میں مواصلات کا اٹوٹ سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا۔ میں نے وفاق بنانے والی اکائیوں کو 'ریاستوں' کا نام دیا ہے اور انہیں صوبہ نہیں کہا۔ ریاست کی اصطلاح کی جعلی وفاق پسند شر انگیز تشریح کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو مجیب آزاد ریاستیں چاہتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ تمام وفاق بنانے والی اکائیوں کو صوبے کی جگہ ریاست ہی کہا جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ سوویٹ روس کی سوشلسٹ راستوں کی یونین، وفاقی جرمنی، ملائشیا کا وفاق اور سب سے آخر میں ہندوستان میں وفاق بنانے والی اکائیوں کو ریاستوں ہی کا نام دیا گیا ہے۔

ہندوستانی صوبوں کو ریاستوں کا نام دینے سے ان کی یونین یا ان کی مرکزی حکومت کمزور نہیں ہو گئی۔ تیسرے نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ مجیب نے کہا:۔ اگر شق (ب) کے تحت میری سفارش تسلیم کر لی جائے تو کرنسی مرکزی حکومت ہی کے تحت ہوگی۔ یہاں میں نے صرف اتنا فرق رکھا ہے کہ امریکہ کی طرح ایک وفاقی ریزرو سسٹم قائم ہو جس کے تحت دونوں بازوؤں کے لئے علیحدہ ریزرو بنک قائم کئے جائیں۔ اس انتظام کے تحت اسٹیٹ بنک آف پاکستان دونوں بازوؤں میں دو ریزرو بنک قائم کرے گا۔ مشرقی پاکستان کے لئے مشرقی پاکستان ریزرو بنک کرنسی جاری کرے گا اس پر مشرقی پاکستان یا صرف ڈھاکہ لکھا ہو گا۔ اسی طرح مغربی پاکستان میں مغربی پاکستان ریزرو بنک کرنسی کا اجرا کرے گا جس پر مغربی پاکستان یا لاہور کا نام لکھا ہو گا۔ یہی وہ واحد موثر طریقہ ہے جس کے ذریعے اس خطے کے سرمایہ کو دوسرے خطے میں جانے سے روکا جا سکتا ہے اور مشرقی پاکستان کی معیشت کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکتا ہے کیونکہ جغرافیائی علیحدگی نے دونوں بازوؤں کو دو علیحدہ اقتصادی یونٹ بنا دیا ہے۔ سکوں پر ایسا کوئی امتیازی نشان نہیں ہے جس سے ہر بازو کی گردش زر کا اندازہ



لگایا جا سکے۔ وزارت خزانہ مغربی پاکستان میں ہے۔ اسٹیٹ بنک مغربی پاکستان میں ہے زر کا اجرا اور اس کے ڈھالنے کا کام مغربی پاکستان میں ہوتا ہے۔ یہی زر تمام ملک میں سفر کرنے کے بعد دوبارہ مغربی پاکستان میں جمع ہو جاتا ہے۔ بیشتر مشترکہ سرمایہ کے بینکوں کے صدر دفاتر بھی مغربی پاکستان میں ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں جو لین دین ہوتا ہے اس کا روپیہ فوراً مغربی پاکستان پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح مشرقی پاکستان کی تجارت اور صنعت کا تمام منافع اور بچتیں صرف چند سیکنڈ میں مغربی پاکستان پہنچ جاتی ہیں۔ بنکاری کے ماہرین جانتے ہیں کہ بچتیں جب کاروبار میں لگا دی جائیں تو سرمایہ بن جاتی ہیں۔ قدرتی طور پر یہ ساری سرمایہ کاری مغربی پاکستان کے سرمایہ ہی کی حیثیت سے ہوتی ہیں۔ کرنسی کے نظام میں اس اصلاح سے مشرقی پاکستان معاشی موت سے بچ جائے گا۔ کابینہ مشن نے کرنسی کے بغیر وفاقی مرکز قائم کرنے کی سفارش کی تھی۔ اگر یہ ناقابل عمل ہوتا تو برطانوی حکومت اس کی سفارش نہ کرتی اور کانگریس اور مسلم لیگ اس تجویز کو منظور نہ کرتیں۔ چوتھے نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ مجیب نے کہا:۔ "میری اس تجویز نے وحدت پسند اور فرضی وفاق پسند لیڈروں کو سب سے زیادہ برہم کیا ہے۔ وہ مجھ پر علیحدگی پسندی کا الزام لگا رہے ہیں۔ وفاقی حکومت میں وفاق کی دلچسپی صرف مالیاتی محاصل سے ہوتی ہے۔ دوسری ذمہ داریاں مثلاً یہ کہ ٹیکسوں کی محافظتی، سماجی، تجارتی اور اخلاقی حدبندیاں مقرر کرنا۔ وفاق بنانے والی ریاستوں کی ذمہ داری ہے۔ یہی طریقہ امریکہ اور دوسرے وفاقوں میں بھی اختیار کیا جاتا ہے اسی علم اور تجربہ کی بنیاد پر کابینہ مشن نے ٹیکس لگانے کے اختیارات کے بغیر ہندوستانی وفاق کی تجویز پیش کی تھی اور یہی سبب ہے، جس کی وجہ سے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس پیش کش کو منظور کیا تھا۔" پانچویں نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ مجیب نے کم و بیش ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو مندرجہ بالا تیسرے نکتے کی وضاحت میں کی ہے انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان کا دو تہائی زرمبادلہ پٹ سن سے حاصل ہوتا ہے لیکن اسے پٹ سن کے کاشتکاروں یا مشرقی پاکستان پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ جو تھوڑی بہت صنعتیں قائم ہیں وہ مغربی پاکستان کے رہنے والوں یا ان اشخاص نے قائم کی ہیں جو مشرقی پاکستان کے نہیں

ان لوگوں کے اوصاف ایسے ہیں جیسے کہ غیر ملکی سرمایہ کار کے ہوتے ہیں۔ پٹ سن کے کاشت کاروں کو نہ صرف یہ کہ اپنی پیداوار کی معقول قیمتیں نہیں مل رہی ہیں بلکہ پیداوار کی لاگت سے بھی انہیں محروم کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلسل مقروض رہتے ہیں اور انہیں ضروریات زندگی بھی میسر نہیں۔ انہوں نے کہا کہ عوامی لیگ کی حکومت نے ۱۹۵۵ء میں پٹ سن کی غیر ملکی کا ادارہ قائم کیا تھا بعد میں مفاد پرستوں نے مرکزی حکومت کی مدد سے اس کی اہمیت ختم کر دی۔ چھٹے نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ مجیب نے کہا:۔ یہ کوئی انوکھی اور ناقابلِ عمل تجویز نہیں ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ دور دراز کے علاقوں کے لئے نیم فوجی علاقائی تنظیم قائم کی جاتی اور برقرار رکھی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی آزادی سے پہلے ایک رجمنٹ تھی جس کا نام ایسٹرن رائفلز تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اسے مشرقی پاکستان رائفلز بنا دیا گیا۔ موجودہ حکومت نے اس کا انتظام مشرقی پاکستان کی حکومت سے چھین لیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی اکثریت مشرقی پاکستان میں رہتی ہے۔ اس کا دفاع کرنا حکومت پاکستان کی سیاسی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ مغربی پاکستان کا اسلحہ اور دولت مشرقی پاکستان کے کس کام آ سکتی ہے۔ جبکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ذرائع آمد و رفت چند سیکنڈ میں ختم کئے جا سکتے ہیں کیا حالیہ سترہ روزہ جنگ ہماری مکمل لاچاری کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کوئی شیخی باز یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ وارسا میں ہونے والے کچھ واقعات نے مشرقی پاکستان کو بچا لیا۔ ہماری حکومت کی دفاعی پالیسی نے ہمیں اس لاچاری کے اس درجے تک پہنچا دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ دفاع کے معاملے میں مشرقی پاکستان کو خود کفیل بنایا جائے۔ ایک اسلحہ ساز فیکٹری۔ ایک فوجی اکیڈمی اور بحریہ کا ہیڈ کوارٹر۔ مشرقی پاکستان میں منتقل کیا جائے۔ در حقیقت ان چیزوں کا مطالبہ ۱۹۵۴ء میں کیا گیا تھا جو آج تک پورا نہیں کیا گیا۔"

**تبصرہ**

پہلا نکتہ (ب) پاکستان کے وفاق کی بنیاد قرارداد لاہور ہوگی۔ مسلم لیگ مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو مشہور و معروف قرارداد لاہور کا مسودہ تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا جس کے اراکین قائد اعظم اور سر سکندر حیات تھے۔ سر



عبداللہ ہارون نے یہ دعویٰ کیا کہ قرارداد کا مسودہ ان خطوط پر مرتب کیا گیا جو انہوں نے قائد اعظم کی خدمت میں فروری ۱۹۴۰ء میں یادداشت کی صورت میں پیش کیا تھا۔ سر سکندر کا جن کا قرارداد کے مسودہ کی تیاری میں ہاتھ تھا اس سلسلے میں یہ بیان ہے کہ "مجھے یہ تسلیم کرنے میں قطعاً کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ اصل قرارداد کا مسودہ تیار کرنے کا ذمہ دار میں ہوں لیکن مجھے اس بات کی وضاحت کر لینے دیجیے کہ اس قرارداد میں جس کا مسودہ میں نے تیار کیا تھا مجلس عاملہ نے بے انتہا اساسی تبدیلیاں اور ترمیمیں کی تھیں۔ وہ مسودہ جو میں نے تیار کیا تھا اور وہ مسودہ جو بالآخر منظور کیا گیا ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ دونوں قراردادوں کے درمیان اصل بنیادی اختلاف یہ ہے کہ میری قرارداد کا آخری حصہ جو مرکز اور مختلف وحدتوں کی کارگزاری کے درمیان ہم آہنگی اور اشتراک عمل سے متعلق تھا ترک کر دیا گیا۔"

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں وہ قرارداد منظور کی گئی جو قرارداد پاکستان کے نام سے شہرۂ آفاق بنی۔ یہ قرارداد بنگال کے وزیر اعلیٰ فضل الحق نے پیش کی تھی، اس کی تائید چودھری خلیق الزماں اور بعض دوسرے اصحاب نے کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا۔

"یہ طے کیا گیا کہ کل ہند مسلم لیگ کے اس اجلاس کی متفقہ اور سوچی سمجھی رائے ہے کہ کوئی دستوری منصوبہ اس ملک میں قابلِ عمل نہ ہوگا اور نہ مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول ہوگا جب تک وہ ذیل کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں نہ مرتب کیا جائے یعنی یہ کہ جغرافیائی طور پر متعلقہ وحدتوں کی منطقوں کی شکل میں حلقہ بندی کی جائے اور ان کی حد بندی اس طرح سے علاقائی تبدل و تغیر، ترمیم و اضافے کے ذریعے ہو جن کی فی الواقعی ضرورت لاحق ہو جائے اور یہ کہ وہ علاقے جہاں مسلمان بلحاظ تعداد اکثریت میں ہیں مثلاً مغربی اور مشرقی ہندوستان کے منطقوں میں ان کی اس طرح گروپ بندی کی جائے کہ وہ آزاد خود مختار ریاستیں کی ایسی صورت اختیار کر لیں جس میں ملحقہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں۔"

سابق وزیر اعظم چودھری محمد علی نے اپنی کتاب "ظہور پاکستان" میں اور سابق وزیر قانون شریف الدین پیرزادہ نے اپنی کتاب "پاکستان منزل بہ منزل" میں قرارداد کے معنوی

سقم کی جانب اشارہ کیا ہے۔ چودھری محمد علی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قرارداد میں علاقائی تبدل و تغیر اور ترمیم و اضافے نے کانگریس اور باونڈری کمیشن کے لئے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لئے گنجائش پیدا کردی۔ شریف الدین پیرزادہ فرماتے ہیں کہ اقوام متحدہ کے منشور کے علاوہ غالباً کوئی ایسی دستاویز یا قانون تحریر نہیں ہے جو اس قدر تحقیقی تجربات و تنقیدی مباحث کا موضوع بنی ہو جس قدر قرارداد لاہور۔ بعض اعتراضات اس ضمن میں کئے گئے کہ یہ قرارداد ایک مسلم ریاست یا دو مسلم ریاستوں کے تصور کی حامل ہے۔ شریف الدین پیرزادہ فرماتے ہیں کہ اپریل ۱۹۴۱ء میں مدراس میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قرارداد لاہور میں لفظ گروپ کے ساتھ باہمی کا اضافہ کردیا گیا اور ترمیم کے بعد جملہ یوں ہوگیا۔

"ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں کو باہمی مجتمع (گروپ بندی) کردیا جائے تاکہ وہ مسلم آزاد قومی اوطان کی صورت میں خود مختار اور آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کرلیں جس کی ملحقہ وحدتیں مختار اور مقتدر ہوں۔"

آپ دیکھیں گے کہ اس ترمیم کے بعد بھی خود مختار ریاستوں کی شکل باقی رہتی ہے۔ جہاں تک ۲۳ مارچ والی قرارداد لاہور کا تعلق ہے اسے تو سب ہی جانتے ہیں مگر اس قرارداد میں جو ترمیم کی گئی اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس لئے عام طور پر پاکستان کے سیاستدانوں نے ترمیم کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ قرارداد لاہور کے مطابق بجا طور پر شیخ مجیب نے مشرقی پاکستان کے صوبے کو ریاست کا نام دیا تھا وہ اپنے منشور کے مطابق صوبائی خود مختاری کے خواہاں تھے جو قرارداد لاہور میں موجود ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ۲۵ برس بعد یہ آئینی شوشہ کیوں چھوڑا گیا۔ کیا واقعی پاکستان کے سیاستدانوں نے قرارداد لاہور کو غلط سمجھا یا اس کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کیا؟ اگر ایسا نہیں تھا تو ۱۹۷۰ء میں آزمودہ کار سیاسی لیڈر عوامی لیگ کو سمجھانے میں کیوں ناکام رہے؟ قرارداد لاہور بنگالی وزیر اعلیٰ فضل الحق نے پیش کی تھی اس لئے جب بنگالی عوام کو بتایا گیا کہ پاکستان کے وفاق کی بنیاد قرارداد لاہور ہوگی جسے آج تک عمل میں نہیں لایا گیا تو ان کے جذبات اور زیادہ بھڑک اٹھے۔



دوسرے نکتے میں دفاع اور امور خارجہ مرکز کے سپرد کرنے کی تجویز تھی۔ پاکستان دو جغرافیائی ٹکڑوں میں تقسیم ہے جس کے درمیان دوسرے ملک کا ایک ہزار میل سے زیادہ علاقہ حائل ہے اس لئے مواصلات کا اٹوٹ سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے مواصلات کی بجائے مرکز کو کرنسی سپرد کرنے کی تجویز مناسب تھی۔ جغرافیائی علیحدگی نے دونوں بازوؤں کو دو علیحدہ علیحدہ اقتصادی یونٹ بنا دیا تھا۔ گردش زر کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے یہ مناسب تھا کہ دونوں بازوؤں کی کرنسی پر کوئی امتیازی نشان لگا دیا جائے۔ چھٹے نکتے میں ملیشیا کی تجویز مناسب تھی۔ پاکستان کی اکثریت مشرقی پاکستان میں رہتی تھی۔ اس کا دفاع کرنا حکومت پاکستان کی سیاسی اور اخلاقی ذمہ داری تھی۔ حالانکہ مشرقی پاکستان میں الیکشن میں حصہ لینے والی جماعتیں شدت کے ساتھ چھ نکات کی مخالفت کرتی رہیں اور ان نکات کو علیحدگی پسند قرار دیتی رہیں مگر پروفیسر رشبروگ ولیمز اپنی کتاب "دی ایسٹ پاکستان ٹریجڈی" میں لکھتے ہیں کہ "شیخ مجیب الرحمٰن کے اعلانات قبل انتخابات کا ایک نمایاں پہلو ہے جسے احتیاط کے ساتھ قلمبند کیا جانا چاہیئے۔ کسی موقع پر بھی انہوں نے یہ مطالبہ کیا نہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا اشارہ کیا اپنے ووٹروں سے جو قائداعظم کے بنائے ہوئے پاکستان کو دل سے چاہتے تھے ان سے شیخ مجیب کی اپیل یہ تھی کہ چھ نکات مشرقی اور مغربی خطوں کو ایک نئی مفاہمت کے ذریعے قریب لاکر زیادہ موثر تعاون کی بنیاد فراہم کریں گے۔" ۱

---

LF RUSHBROOK WILLIAMS, THE EAST PAKISTAN TRAGEDY. -1
P. 43

باب ۴

# مثالی انتخابات اور غیر متوازن نتائج

صدر پاکستان نے مقررہ وقت پر انتخابات منعقد کرا کے اپنا وعدہ پورا کر دیا جو انہوں نے اقتدار سنبھالنے کے چوبیس گھنٹے کے اندر اپنی نشری تقریر میں قوم سے کیا تھا۔ سارے ملک میں ۷، دسمبر ۷۰ء کو فوج کی نگرانی میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلے عام انتخابات ہیں جو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کسی حکومت نے نہایت پر امن طریقے سے کرائے اس لئے ان انتخابات کو مثالی انتخابات ہی کہا جا سکتا ہے۔

ان انتخابات میں ۵ کروڑ ۶۵ لاکھ ووٹروں نے حصہ لیا ۱۳ کروڑ ۵۰ لاکھ بیلٹ پیپر چھاپے گئے۔ مشرقی پاکستان میں ۱۶ ہزار اور مغربی پاکستان میں ۱۳ ہزار پولنگ اسٹیشن قائم کئے گئے۔ ۳۰۰ نشستوں کے لئے سارے ملک میں ۱۵۷۰ امیدوار کھڑے ہوئے۔ مشرقی پاکستان میں ۵۷ فیصد پنجاب میں ۶۹ فیصد۔ سندھ میں ۶۰ فیصد سرحد میں ۴۸ فیصد اور بلوچستان میں ۴۰ فیصد ووٹ ڈالے گئے۔ مشرقی پاکستان میں ۵۷ فیصد ووٹنگ میں سے ۷۵ فیصد عوامی لیگ نے ووٹنگ میں حصہ لیا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق عوامی لیگ کے مسلح حامیوں نے صرف اپنے ہی ووٹروں کو پولنگ اسٹیشنوں تک پہنچنے دیا۔ اس لئے ۴۳ فیصد ووٹر پولنگ اسٹیشن تک نہ پہنچ سکے۔ کامیاب ہونے والی جماعتوں کی پوزیشن الیکشن ٹیبل میں دیکھئے۔ ۳۰۰ نشستوں میں سے مشرقی پاکستان کے لئے ۱۶۲۔ پنجاب کے لئے ۸۲۔ سرحد کے لئے ۲۵۔ بلوچستان کے لئے ۴۔ سندھ کے لئے ۲۷ نشستیں مقرر کی گئیں۔ انتخابات میں عوامی لیگ۔ پاکستان پیپلز پارٹی۔ قیوم لیگ۔ کنونشن لیگ۔ کونسل لیگ۔ جمعیت علمائے پاکستان۔ جمعیت علمائے اسلام۔ نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) اور جماعت اسلامی نے حصہ لیا۔ مشرقی پاکستان میں جن پارٹیوں نے حصہ لیا وہ قابل ذکر ہیں۔ قیوم لیگ نے ۶۵، کنونشن لیگ نے ۹۳، کونسل لیگ نے ۵۰، جمعیت علمائے اسلام نے ۱۵، ولی نیپ نے ۳۹۔

اور جماعت اسلامی نے ۷ امیدوار کھڑے کئے مگر سب ہار گئے۔ جمہوری پارٹی نے ۹ امیدوار کھڑے کئے جس میں سے صرف ایک امیدوار کامیاب ہوا۔ انتخابی ٹیبل سے واضح ہوتا ہے کہ کونشن لیگ۔ کونسل لیگ۔ قیوم لیگ۔ جماعت اسلامی۔ نیپ اور جمہوری پارٹی نے بڑی تعداد میں اپنے امیدوار مشرقی پاکستان سے کھڑے کئے۔

نتیجہ کچھ بھی ہوا مگر جن پارٹیوں نے ملک گیر پیمانے پر انتخابات میں حصہ لیا انہیں ملک گیر سیاسی جماعتوں کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک دلچسپ سوال ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے جس کا منشور سارے ملک کی خوشحالی اور ترقی کا ضامن تھا نہ جانے کیوں مشرقی پاکستان سے اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا۔ دوسری طرف عوامی لیگ نے بھی مغربی پاکستان میں انتخابات میں حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ انتخابی ٹیبل سے پتہ چلتا ہے کہ عوامی لیگ نے پنجاب میں تین، سرحد میں دو، بلوچستان میں ایک، سندھ میں دو امیدوار کھڑے کئے لیکن یہ تمام امیدوار انفرادی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے جنہیں امید تھی کہ وہ مغربی پاکستان میں رہنے والے بنگالیوں کے ووٹوں سے کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر چونکہ ان امیدواروں کو عوامی لیگ کی حمایت حاصل نہیں تھی اس لئے بنگالیوں نے بھی انہیں خاطر خواہ ووٹ نہیں دیے۔ شیخ مجیب سمیت عوامی لیگ کے کسی لیڈر نے مغربی پاکستان میں نام نہاد امیدواروں کی کوئی حمایت نہیں کی۔ مشرقی پاکستان میں کونشن لیگ، کونسل مسلم لیگ، قیوم لیگ، جماعتِ اسلامی اور جمہوری پارٹی نے اپنی انتخابی مہم میں چھ نکات کو علیحدگی پسند قرار دیا۔ پی پی پی نے اپنی انتخابی پالیسی کے تحت مشرقی پاکستان میں اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا اس لئے اس کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ چھ نکات کے بارے میں مشرقی پاکستان میں جا کر اس کی مخالفت کرتی مگر یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی پیپلز پارٹی نے پراسرار طریقے پر چھ نکات کو نظر انداز کر دیا اور الیکشن کے بعد ان کی مخالفت شروع کر دی۔ عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی نے جس انداز سے قومی اسمبلی کے ملک گیر انتخابات میں حصہ لیا اس کے جو نتائج بھی سامنے آئے اس پر مبصرین کو حیران نہیں ہونا چاہیئے۔ جب یہ دونوں ملک گیر جماعتیں مشرقی پاکستان اور



مغربی پاکستان کی علاقائی حیثیت سے الیکشن میں کھڑی ہوئیں تو اس کا حتمی نتیجہ غیر متوازن ہی ہونا تھا یعنی مشرقی پاکستان میں ۱۶۲ نشستوں میں سے عوامی لیگ کو ۱۶۰ نشستیں ایک نشست جمہوری پارٹی اور ایک آزاد امیدوار کو ملیں۔ دوسری طرف مغربی پاکستان میں پی پی پی کو ۸۱ نشستیں ملیں جو بعد میں آزاد امیدواروں کی شمولیت سے ۸۸ ہو گئیں۔ مندرجہ بالا پارٹیوں کے علاوہ چند چھوٹی سیاسی پارٹیوں نے بھی مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ جن میں جمعیت علماء (تھانوی گروپ)۔ پاکستان نیشنل لیگ۔ اسلامک ڈیموکریٹک پارٹی۔ ملکی دل۔ کانگریس۔ بلوچستان متحدہ محاذ۔ پاک درداری شنگھا۔ مگر ان پارٹیوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ عوامی لیگ اکثریت سے سیاسی افق پر نمودار ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو پاکستان کا جائز و قانونی حکمراں سمجھتی تھی۔ مغربی پاکستان کی پوزیشن مشرقی پاکستان سے مختلف تھی۔ ۱۳۸ نشستوں کے لئے پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ سے جن پارٹیوں نے الیکشن میں حصہ لیا ان کی کارکردگی ٹیبل میں وضاحت کے ساتھ درج ہے۔ پی پی پی نے مغربی پاکستان سے ۱۱۹ امیدوار کھڑے کئے۔ جس میں سے ۸۱ کامیاب ہوئے۔ بعد میں ۷ آزاد امیدوار بھی پی پی پی میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پی پی پی ۸۸ ممبروں کے ساتھ سندھ اور پنجاب کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کی حیثیت سے نمودار ہوئی۔ الیکشن سے پہلے ون یونٹ کے خاتمے کے بعد مغربی پاکستان کا نام ختم ہو چکا تھا یہاں صرف چار صوبے تھے۔ پنجاب۔ سندھ۔ سرحد اور بلوچستان۔ اس لئے پی پی پی کے چیئرمین کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ وہ مغربی پاکستان میں اکثریتی پارٹی کے لیڈر ہیں۔ پی پی پی کو سندھ اور پنجاب میں اکثریت حاصل تھی جب کہ نیپ اور جمعیت علمائے اسلام دونوں کو مل کر سرحد اور بلوچستان میں اکثریت حاصل تھی۔ آبادی کے تناسب سے پی پی پی ۵ کروڑ ۱۳ لاکھ ۳۹ ہزار افراد کی نمائندہ تھی۔ نیپ اور جمعیت دونوں ۱ کروڑ ۳۴ لاکھ افراد کی نمائندہ تھی جب کہ مشرقی پاکستان کے صوبے میں ۷ کروڑ افراد کی واحد نمائندہ عوامی لیگ تھی۔ عوامی لیگ نے بقیہ چار صوبوں کے انتخابات میں حصہ نہ لے کر ۶ کروڑ سے زائد افراد کو نظر انداز کر دیا اس طرح پیپلز پارٹی نے مشرقی پاکستان کے انتخابات میں حصہ نہ لے کر ۷ کروڑ افراد کو نظر انداز کر دیا۔

جہاں تک ان دونوں پارٹیوں کے انتخابی نتائج کا تعلق ان دونوں پارٹیوں کو ملک گیر جماعتوں کا درجہ نہیں دیا جاسکتا جس طرح عوامی لیگ کو چار صوبوں کے لوگ اپنا صحیح نمائندہ تصور نہیں کرتے تھے اسی طرح مشرقی پاکستان کے لوگ پیپلز پارٹی کو اپنا نمائندہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ در حقیقت انتخابی نتائج نے خود بخود پاکستان کے دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جو ۲۴ سال سے کسی مستحکم وفاق کے بغیر متحد اور مربوط تھے۔ ملک کے لئے یہ ایسی مایوس کن صورت حال تھی جس کی وجہ سے قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد نہ ہوسکا۔ سیاسی مذاکرات ناکام ہوئے۔ صدر پاکستان کی نیک نیتی پر حرف آیا اور بحالی جمہوریت کے لئے ان کی مخلصانہ کوشش ناکام ہوئی۔ ان ہی غیر متوازن انتخابی نتائج کی وجہ سے ہندوستانی سازش کے لئے راستہ ہموار ہوا اور جو واقعات بھی انتخابات کے بعد رونما ہوئے وہ سب انتخابی نتائج کا منطقی نتیجہ تھا۔

پروفیسر رشبروک ولیمز اپنی کتاب "دی ایسٹ پاکستان ٹریجڈی" میں صفحہ ۴۰، ۴۱ پر عام انتخابات کے موضوع پر اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"کسی ملک کے نظم ونسق میں یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ اس کا ناظم اعلیٰ انتخابات کے صحیح نتائج کی سرشت سے اتنا بے نیاز رہے جتنا کہ صدر یحییٰ خان اور ان کی حکومت جیسا کہ صدر نے بار بار بھی طور پر اور برسر عام وضاحت کی تھی کہ ان کی واحد عظیم خواہش یہ تھی کہ وہ اقتدار عوام کی منتخب کردہ جمہوری حکومت کے حوالے کر دیں اور دوبارہ افواج پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ فیلڈ مارشل کے دور میں مارشل لاء حکومت آئینی طرز حکومت کے حق میں دستبردار ہوگئی تھی۔ مگر صدر ایوب خان بذات خود سیاسی اکھاڑے میں داخل ہو چکے تھے اور ملک کی قیادت کرنا چاہتے تھے۔ ایسی کوئی خواہش صدر یحییٰ کو نہیں تھی۔ وہ کسی انتخاب کے ذریعے نہیں بلکہ سابقہ صدر کی ہدایت پر قانون کی حکمرانی بحال کرنے اور ملک کو ہوش مندی کی طرف واپس لوٹانے کے لئے برسر اقتدار آئے تھے۔ جتنی جلدی وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے اور دوبارہ سپاہی کا پیشہ اختیار کرتے اتنی ہی زیادہ خوشی انہیں حاصل ہوتی۔ انہوں

## ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی میں کامیاب پارٹیوں کی پوزیشن

| صوبے | کل نشستیں | عوامی لیگ (کشتی) | | پی پی پی (تلوار) | | قیوم لیگ (شیر) | | کنونشن لیگ (بائیسکل) | | کونسل لیگ (لالٹین) | | جمعیت علمائے پاکستان (چابی) | | جمعیت علمائے اسلام (کھجور کا درخت) | | ولی نیپ (جھونپڑی) | | جماعت اسلامی (ترازو) | | جمہوری پارٹی (چھتری) | | آزاد | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب | امیدوار | کامیاب |
| مشرقی پاکستان | ۱۶۲ | ۱۶۲ | ۱۶۰ | x | x | ۶۵ | x | ۹۳ | x | ۵۰ | x | x | x | ۱۵ | x | ۳۹ | x | ۷۰ | x | ۷۹ | ۱ | ۱۱۳ | ۱ |
| پنجاب | ۸۲ | ۲ | x | ۷۷ | ۶۲ | ۳۳ | ۱ | ۳۴ | ۲ | ۵۰ | ۷ | ۳۶ | ۴ | ۳۷ | x | x | x | ۴۴ | ۱ | ۲۱ | x | ۱۱۵ | ۵ |
| سرحد | ۲۵ | ۲ | x | ۱۹ | ۱ | ۱۷ | ۷ | ۱ | x | ۵ | x | ۱ | x | ۱۸ | ۶ | ۱۴ | ۳ | ۱۵ | ۱ | ۲ | x | ۳۵ | ۷ |
| بلوچستان | ۴ | ۱ | x | ۱ | x | ۳ | x | x | x | ۲ | x | x | x | ۴ | ۱ | ۳ | ۳ | ۲ | x | ۱ | x | ۶ | x |
| سندھ | ۲۷ | ۲ | x | ۲۵ | ۱۸ | ۱۲ | ۱ | ۶ | x | ۱۲ | x | ۸ | ۳ | ۲۱ | x | ۶ | x | ۱۹ | ۲ | ۳ | x | ۴۵ | ۳ |
| کل پاکستان | ۳۰۰ | ۱۷۰ | ۱۶۰ | ۱۱۹ | ۸۱ | ۱۳۱ | ۹ | ۱۲۴ | ۲ | ۱۱۹ | ۷ | ۳۵ | ۷ | ۱۰۵ | ۷ | ۶۲ | ۶ | ۱۵۰ | ۴ | ۱۰۶ | ۱ | ۳۲۵ | ۱۶ |

نے ابتدا ہی سے یہ واضح کر دیا تھا کہ جب تک اسلامی نظام حکومت کی حیثیت سے پاکستان کے مفادات جس کی پیش بندی قائد اعظم نے کی تھی۔ سلامتی کے ساتھ عوام کی منتخب کردہ حکومت کے سپرد نہیں ہو جاتے وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ نہیں ہوں گے۔ اس ضمن میں صدر یحییٰ خان کا مقام قابل ستائش ہے کیونکہ ان کی شخصیت کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ مجموعی طور پر اپنے آپ کو پاکستان کے مفادات کا محافظ سمجھتے تھے اور جب تک وہ اقتدار دوسروں کو منتقل نہ کر دیں اپنے آپ کو فرائض کی منصفانہ انجام دہی کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ چند لوگوں کا یہ الزام غلط ہے کہ یحییٰ خان نے مارچ ۱۹۷۱ء میں سیاسی مذاکرات کو ناکام بنا دیا اور کوئی منصوبہ پیش نہیں کیا نیز مغربی پاکستانی لیڈروں کی حمایت میں مشرقی پاکستان کے انتخابی نتائج کو کالعدم قرار دے دیا۔ کسی بھی فریق کی پشت پناہی کرنا ان کا کام نہیں تھا۔ قانونی ڈھانچہ کے مطابق جسے تمام پارٹیوں نے منظور کر لیا تھا صدر نے بہترین طریقے سے ان کی رہنمائی کی۔ ہاں جو کچھ بھی وہ اپنی متعین حدود میں کر سکتے تھے وہ یہ تھا کہ انہوں نے منصفانہ طریقہ کار اختیار کرنے کے لئے تمام سیاسی لیڈروں پر زور دیا تاکہ جب بھی قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو۔ اس کی کارروائی مجموعی طور پر ملک کے وقار کی مظہر ہو۔ نہ کہ وفاقی اکائیوں میں سے کسی ایک کے نظریات پر ربڑ کی مہر لگا دی جائے"۔[1]

---

۱- LF RUSH BROOK WILLIAMS, THE EAST PAKISTAN TRAGEDY- P. 40, 41.



باب ۵

# ہندوستانی سازش

غیر متوازن انتخابی نتائج نے ہندوستانی سازش کا راستہ ہموار کر دیا۔ بھارتی حکومت کے ایک ممتاز وزیر آنجہانی ڈنگا پرشاد دھر کی نگرانی میں مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان سے علیحدہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ روزنامہ جنگ مورخہ یکم فروری ۱۹۷۱ء میں انڈین ایئر لائنز کا فوکر فرینڈشپ طیارہ دکھایا گیا ہے جسے ۳۰ جنوری کو کشمیری حریت پسند اغوا کر کے لاہور لے آئے تھے۔ بھارتی طیارے کی ایک خاتون مسافر شیلا گور، ایئر ہوسٹس مس کوہلی اور طیارے کے فلائٹ پرسر ایس ڈی کوٹنگ سے باتیں کر رہی ہیں۔ بھارتی طیارے کا سکھ کپتان بی۔ ایس۔ اوبرائے بھی تصویر میں دکھائی دے رہا ہے۔

نئی دہلی۔ ۳۰ جنوری کو آل انڈیا ریڈیو نے بتایا کہ انڈین ایئر لائنز کے ایک فوکر فرینڈشپ طیارے کو آج دوپہر کے تھوڑی دیر بعد دو افراد نے زبردستی اغوا کر کے لاہور پہنچا دیا۔ طیارے میں اٹھائیس مسافر اور عملے کے ۴ افراد سوار تھے اور یہ طیارہ سری نگر سے جموں کے لئے معمول کی پرواز پر تھا۔ آل انڈیا ریڈیو نے مزید بتایا کہ طیارے نے ساڑھے گیارہ بجے جموں کے ہوائی اڈے پر ایک چکر لگایا اور پھر پاکستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ آخری سگنل طیارے سے یہ موصول ہوا تھا کہ اسے زبردستی اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ بی بی سی نے بھارتی طیارے کے اغوا کی بابت بتایا کہ اغوا کرنے والے افراد پستول اور دستی بموں سے مسلح تھے۔ یہ طیارہ سری نگر سے جموں جا رہا تھا۔ بھارت کی فضائی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ بھارت کے طیارے کو اغوا کیا گیا ہے۔ اب تک طیارے کے اغوا کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ خیال ہے کہ اس طیارے کے اغوا کا تعلق الفتح سے ہو سکتا ہے۔

اغوا شدہ طیارے کو حریت پسندوں نے بم سے اڑا دیا۔ ہندوستانی سازش کامیاب ہو گئی۔ انتخابات کے ایک ماہ اور چوبیس دن کے اندر یہ واقعہ معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔

حکومت ہند نے ۸ فروری سے ہندوستانی علاقے پر سے پاکستانی پروازوں پر پابندی لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پی۔ آئی۔ اے کی پروازیں براستہ کولمبو سات گھنٹے میں ڈھاکہ پہنچنے لگیں جنرل یحییٰ خان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے دفاعی نقطۂ نظر سے ۲۸ فروری سے چارٹر طیاروں کے ذریعے فوجی دستے مشرقی پاکستان بھیجنے شروع کر دیے۔ یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ ان نام نہاد حریت پسندوں کا جو ہندوستانی ایجنٹ تھے بڑی گرمجوشی سے زندہ دلان لاہور نے جلوس نکالا۔ ان حریت پسندوں کا خیر مقدم کرنے والوں میں ممتاز ترین شخصیت پی پی پی کے چیئرمین کی تھی۔ بعد میں تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہندوستانی طیارے کا اغوا مشرقی پاکستان کے خلاف ہندوستانی سازش کی ایک کڑی تھی۔ جنرل یحییٰ خان نے جسٹس نور العارفین کی قیادت میں تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء کو اپنی رپورٹ صدر کو پیش کی۔ رپورٹ کے چند متعلقہ اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"۲۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو اشرف نے سرینگر سے جموں تک کے لئے دو نشستیں ہوائی سفر کے لئے بک کرائیں، ایک اپنے نام میں اور دوسری ہاشم کے لئے مسٹر محمد حسین کے نام سے وہ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کی صبح کو سرینگر ایئرپورٹ کے لئے اپنے گھر سے چل پڑے لیکن راستے میں انہیں ایک فوجی چوکی پر چیک کیا گیا۔ جب وہ ایئرپورٹ پر پہنچے تو انڈین سیکورٹی کے کم از کم تین ممبر ایئرپورٹ پر موجود تھے جو سب ہاشم کو جانتے تھے۔ ایک دوارکا ناتھ انسپکٹر، ہندوستانی مقبوضہ کشمیر (د.ا.ج) تھا، دوسرا چھیل سنگھ حوالدار (BSF) تھا اور تیسرا انڈین انٹیلیجنس کا ممبر تھا جو ہوائی جہاز کے نزدیک کھڑا ہوا تھا جو بعد میں اغوا کر لیا گیا۔ دوارکا ناتھ ضد کر رہا تھا کہ ہاشم اسے چائے پلائے۔ جب ہاشم نے کہا کہ میرے پاس پیسے نہیں تو دوارکا ناتھ نے اس کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اردو میں ایک سائیکلو اسٹائل پوسٹر نکالا جس کا عنوان تھا "جہاد کا آغاز" اس حقیقت کا ذکر گیارہ فروری ۱۹۷۱ء کے ہندو مدارس میں کیا گیا ہے۔ تاہم وہ بغیر کسی رکاوٹ کے ہوائی جہاز میں سوار ہو گئے اور ہوائی جہاز جموں کے لئے پرواز کر گیا۔ جب اعلان ہوا کہ ہوائی جہاز جموں ایئرپورٹ پر اترنے والا ہے تو ہاشم اور اشرف دونوں



کھڑے ہو گئے۔ ہاشم کاک پٹ میں دوڑ کر داخل ہو گیا جہاں اس نے ہواباز کی گردن پر بائیں طرف ایک مصنوعی پستول رکھ دیا اور اس سے کہا کہ وہ اور اشرف NLF کے ارکان ہیں اور وہ ہوائی جہاز کو اغوا کر کے پاکستان لے جا رہے ہیں۔ اشرف کاک پٹ اور مسافر کیبن کے درمیان دروازے پر کھڑا ہو گیا اپنے ہاتھ میں مصنوعی بم لئے ہوئے اور مسافروں کو اور ہوائی جہاز کے عملے کو وارننگ دی کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی نشستوں پر بیٹھے رہیں ورنہ اس جہاز کو دستی بم سے اڑا دیا جائے گا۔ ہواباز نے لاہور ایئرپورٹ کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا اور پاکستان میں داخل ہو گیا...... رپورٹ میں کہا گیا ہے۔ اغوا کے واقعے سے قبل دو مرتبہ ہاشم پاکستان آیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس پاسپورٹ پر آیا جو ۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو ختم ہوتا تھا اور پشاور میں اپنے چچا غلام نبی بیگ کے پاس ٹھہرا جہاں اس نے مقبول بٹ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ مقبول بٹ آزاد کشمیر پلے بی سائٹ فرنٹ کا صدر اور NLF سینٹرل ہائی کمان کا ممبر تھا جسے بیگ بھی جانتا تھا۔ ہاشم نے بٹ سے کہا کہ مجھے NLF کا ممبر بنا لیجئے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو ہاشم مقبوضہ کشمیر واپس چلا گیا اور اپریل ۱۹۷۰ء میں غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہو گیا۔ اس موقع پر اس نے مقبول بٹ کو بتایا کہ وہ ہندوستانی جہاز کو اغوا کر کے پاکستان لائے گا۔ اس عرصے میں وہ مقبول بٹ سے خط و کتابت کو روانگی سے پہلے دیکھا۔ ہاشم کے کردار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ابتداء ہی سے ہندوستانی سراغ رساں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ رپورٹ میں ہندوستان کے محکمہ سراغ رسانی کے کئی افسروں سے ہاشم کے رابطے کا ذکر کیا گیا ہے جس میں لیفٹیننٹ کرنل اشوک کمار پٹیل، غلام حسن میر سابق اسسٹنٹ ڈائریکٹر (BSF) اور اے ایس ماتھر ڈپٹی ڈائریکٹر (IDB) سرینگر شامل ہیں"۔

باب ۶

# ذوالفقار علی بھٹو کی شیخ مجیب سے ملاقات

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو ذوالفقار علی بھٹو شیخ مجیب الرحمٰن کا نقطۂ نظر سمجھنے کی غرض سے ڈھاکہ گئے۔ انہوں نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کا مشن کامیاب رہا۔ مسٹر بھٹو نے ایک گھنٹے تک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور شیخ مجیب الرحمٰن سے ہونے والے مذاکرات کے مختلف مرحلوں پر تبصرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ آئینی امور سے متعلق تمام مسائل صرف تین دن میں حل نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسائل گذشتہ ۲۳ سال سے حل طلب ہیں۔ مسٹر بھٹو نے طلبا کے گیارہ نکات اور عوامی لیگ کے چھ نکات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایک نکتہ پر اظہار خیال کیا اور بتایا کہ انہیں طلبا کے دس نکات قبول ہیں انہیں صرف مغربی پاکستان میں ذیلی وفاق کے نکتہ پر اختلاف ہے۔ چھ نکات کے بارے میں مسٹر بھٹو نے کہا کہ ان کی پارٹی نے پہلے نکتہ کا پہلا حصہ جس میں حقیقی وفاق کا تذکرہ ہے قبول کر لیا ہے۔ ان کی پارٹی نے وفاقی یونٹوں کا ملا کشیا بنانے کا حق دینے کا نکتہ بھی تسلیم کر لیا۔ قرارداد لاہور کے بارے میں مسٹر بھٹو نے کہا کہ اسے مختلف صورت حال میں تحریر کیا گیا تھا۔ جس میں ایسے پاکستان کا تصور تھا جس میں آسام، مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب بھی شامل ہو۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ تبدیل شدہ صورت حال میں قرارداد لاہور کی بنیاد پر آئین نہیں بنایا جا سکتا۔ مسٹر بھٹو نے دوسرے نکات کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی جن کا تعلق ٹیکس عائد کرنے، کرنسی اور غیر ملکی تجارت سے تھا انہوں نے کہا کہ ان مسائل پر ان کی پارٹی اور مغربی پاکستان کے لیڈروں سے بات چیت کریں گے۔ ایک سوال کے جواب میں مسٹر بھٹو نے کہا کہ قانونی حیثیت سے عوامی لیگ آئین بنانے اور حکومت چلانے کی پوزیشن میں ہے۔

باب ۷

# قومی اسمبلی کے اِفتتاحی اجلاس کا بائیکاٹ

انتخابات کے بعد صدر یحییٰ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیڈروں سے اسی کوشش میں مذاکرات کرتے رہے کہ قانونی ڈھانچے کی مقررہ مدت کے اندر قومی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس منعقد ہو جائے۔ پروازوں کی پابندی کے بعد دھڑادھڑ پاکستانی فوجیں براستہ کولمبو ڈھاکہ پہنچ رہی تھیں۔ اجلاس میں تاخیر سے بنگالیوں میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ سماج دشمن عناصر یہ باور کرا رہے تھے کہ حکومت اقتدار منتقل نہیں کرے گی۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر عوامی لیگ شدت کے ساتھ مطالبہ کر رہی تھی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد طلب کیا جائے لہٰذا صدر یحییٰ نے ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے لئے ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کی تاریخ مقرر کر دی۔ ایسے نازک وقت میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے لاہور کے جلسہ عام میں مغربی پاکستان کی طرف سے بڑے سخت الفاظ میں قومی اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کیا جب کہ اقلیتی پارٹیوں کے لیڈروں کا موقف یہ تھا کہ فریقین دستور ساز اسمبلی میں بیٹھیں اور دستوری مسائل پر آزادانہ طور پر بحث مباحثے کے بعد آئین تیار کیا جائے کیونکہ انتخابات اسی لئے کرائے گئے تھے کہ منتخب نمائندے اسمبلی میں پہنچ کر دستور بنائیں۔ اگر دستوری مسائل اسمبلی کے باہر ہی طے ہونے تھے تو پھر انتخابات کی کیا ضرورت تھی۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے اس سخت موقف نے عوامی لیگ کے سربراہ اور دوسرے عوامی لیگی لیڈروں کو برہم کر دیا اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر دشنام طرازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صدر یحییٰ نے ۳ مارچ کا اجلاس اس امید پر ملتوی کر دیا کہ شاید اجلاس سے پہلے فریقین میں متنازعہ مسائل پر کوئی تصفیہ ہو جائے مگر بعد میں یحییٰ پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے پنجاب اور سندھ کی اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حمایت میں اجلاس ملتوی کیا تھا۔ ایک طرف اسمبلی کے اجلاس کا ملتوی ہونا اور دوسری طرف صوبے کے چند قصبوں

میں شہری آبادی پر فوج کی فائرنگ نے بنگالیوں کے احساس محرومی کو اتنا بھڑکایا کہ شیخ مجیب بھی عوامی لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک کو نہ روک سکے۔ عوامی لیگ، کروڑ بنگالیوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔ عوامی لیگ کے سربراہ کی حیثیت سے شیخ مجیب کے لئے یہ آسان کام نہیں تھا کہ وہ انتخابات کے بعد اپنے ووٹروں کو غیر معینہ مدت تک اپنے جائز حقوق حاصل کرنے سے باز رکھیں جب کہ مشرقی پاکستان جیسے وسیع اور عریض صوبے میں پہلے ہی سے غیر ملکی تخریب کار سرگرم عمل تھے۔ صدر نے ۱۲ ممبروں کو سیاسی مذاکرات کے لئے ڈھاکہ میں ۱۰ مارچ کو مدعو کیا اور ۶ مارچ کو اپنی نشری تقریر میں قوم کو متنبہ کیا کہ جب تک مسلح افواج ان کے قبضے میں ہیں وہ ملکی سالمیت اور استحکام اور پاکستان کی سلامتی کے لئے اپنے فرائض نیک نیتی سے انجام دیتے رہیں گے۔ شیخ مجیب نے صدر پاکستان کے دعوت نامہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ابھی تو شہیدوں کا خون بھی سڑکوں پر خشک نہیں ہوا ہے ایسی صورت میں وہ کس طرح بات چیت کر سکتے ہیں۔ پہلے اس معاملے کی تحقیقات ہونی چاہئے۔ شیخ مجیب نے اعلان کیا کہ اگر حکومت نے ان شرائط کو جو مندرجہ ذیل ہیں پورا کر دیا تو وہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں ۲۵ مارچ کو شرکت کرنے پر غور کریں گے۔

(۱) مارشل لا ہٹایا جائے (۲) تمام فوجیوں کو بیرکوں میں واپس بھیج دیا جائے۔ (۳) جانی ومالی نقصانات کی تحقیقات کی جائے (۴) قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔



باب ۸

# سول نافرمانی کی تحریک

قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے پر بطور احتجاج شیخ مجیب الرحمٰن نے یکم مارچ کو ڈھاکہ میں ایک ہفتے کے لئے ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا۔ ۱۴ مارچ تک بدنظمی اور تشدد کے واقعات ملاحظہ کیجئے۔ عوامی لیگ نے نرائن گنج، رائفل کلب کو لوٹ لیا۔ ۲ مارچ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں اسلحہ جمع کیا گیا۔ یونیورسٹی کے احاطے میں فائرنگ کی مشق ہوتی رہی۔ مسلح بلوائیوں نے جناح ایونیو اور بیت المکرم کے کمرشیل سینٹر پر حملہ کیا۔ شالیمار ہوٹل، گلستان سینما کو نذر آتش کر دیا گیا۔ طلبا کے گروپ نے پاکستانی پرچم کو جلا دیا۔ صدر گھاٹ پر ایک فوجی ٹرک پر حملہ کیا گیا۔ کرفیو کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزی کی گئی۔ ۳ مارچ کو اسلام پور، پتوکھلی بازار، نواب پور اور ڈھاکہ کے گرد و نواح میں بلوے شروع ہو گئے۔ دوکانیں، کاروباری مراکز اور مکانات جلا دیے گئے۔ شیخ مجیب نے بنگلہ دیش کے عوام کے حقوق حاصل کرنے کے لئے سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اسکول، کالج اور ڈھاکہ یونیورسٹی بند کر دی گئی۔ ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بنگلہ دیش کا ترانہ پیش کریں۔ ۴ مارچ کو دھان منڈی اور نواب پور کے اضلاع میں لوٹ مار کی وارداتیں ہوئیں۔ چاٹگام اور کھلنا میں سنگین بلوے شروع ہو گئے۔ ۵ مارچ کو شیخ مجیب کے احکام پر ٹیلی فون اور تار گھر کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا۔ طلباء نے برٹش کونسل کے دفتر پر حملہ کیا۔ ۶ مارچ کو سینٹرل جیل سے قیدی بھاگ گئے۔ قیدیوں نے اور عوامی لیگیوں نے ڈھاکہ میں جلوس نکالا گورنمنٹ سائنس لیبارٹری کو لوٹ لیا گیا۔ ۷ مارچ کو شیخ مجیب نے متوازی حکومت چلانے کے لئے منصوبہ کا اعلان کیا۔ ٹیکس نہ دینے کی ہدایات جاری کیں۔ مغربی پاکستان کے بینکوں کو روپیہ بھیجنے پر پابندی لگا دی گئی۔ طلباء نے کاروں، جیپوں اور ٹرکوں پر قبضہ کر لیا۔ ۸ مارچ کو عوامی لیگ نے زبردستی لوگوں سے اسلحہ چھین لیا۔ ڈھاکہ کے بہت سے حصوں میں مسلح

ہجوم نے جلوس نکالے۔ ۹ مارچ کو ڈھاکہ کے مختلف حصوں میں عوامی لیگ نے ناکے چیکپر قائم کردیں۔ راہگیروں کے سامان کی تلاشی ہونے لگی اور ان کا پیسہ ضبط کیا جانے لگا۔ ۱۴ مارچ کو شیخ مجیب نے ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی کہ وہ انقلابی کونسلوں سے تعاون کریں اور کسٹم کے واجبات سینٹرل بنک کے بجائے دو پرائیویٹ بنکوں میں جمع کئے جائیں۔



باب ۹

# صدر یحییٰ کے سیاسی لیڈروں سے مذاکرات

صدر پاکستان نے شیخ مجیب کو مغربی پاکستان آنے کی دعوت دی۔ جب شیخ مجیب نہیں آئے تو صدر یحییٰ خان شیخ مجیب سے ملنے خود ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ پہونچ گئے۔ ڈھاکہ ۱۸ مارچ (اپ پ) کی اطلاع کے مطابق عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمن نے کہا کہ وہ مشرقی پاکستان میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی کی طرف سے قائم کردہ تحقیقاتی کمیشن کو قبول نہیں کر سکتے انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ ایسے کمیشن سے کوئی مفید مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ اسکے ذریعے حقائق معلوم نہیں کئے جا سکتے یہ محض عوام کو گمراہ کرنے کی ایک کوشش ہوگی انہوں نے کہا کہ کمیشن میرے اس مطالبے کے مطابق نہیں ہے جو میں نے بنگلہ دیش کے عوام کی جانب سے کیا تھا۔ یہ مارشل لا کے ایک حکم کے تحت قائم کیا گیا ہے اور یہ مارشل لاء حکام ہی کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ اس طرح شیخ مجیب نے تحقیقاتی کمیشن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

صدر یحییٰ کے ڈھاکہ پہنچنے کے بعد ہی ایوان صدر میں سیاسی مذاکرات شروع ہوگئے یوں تو دس دن تک بڑے پیچیدہ مذاکرات ہوئے جنہیں یہاں قلمبند کرنا ممکن نہیں ہے تاہم مذاکرات سے متعلق اہم اقتباسات روزنامہ جنگ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ڈھاکہ ۱۹ مارچ (اپ پ پ) کی اطلاع کے مطابق ایوان صدر میں عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمن اور صدر یحییٰ کے درمیان بات چیت کا تیسرا دور شروع ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ صدر یحییٰ اور مجیب میں، انتقال اقتدار پر اتفاق رائے ہوگیا۔ شیخ مجیب الرحمن نے کہا کہ کل صدر سے بات چیت کے چوتھے دور میں میری پارٹی کے ممتاز ارکان میرے ہمراہ ہوں گے۔ جس میں سید نذر الاسلام۔ مسٹر تاج الدین احمد۔ مسٹر قمر الزماں، کیپٹن منصور علی، خوندکر مشتاق احمد اور ڈاکٹر کمال حسین شامل ہیں۔ جب شیخ مجیب ایوان صدر سے باہر نکلے تو وہ بظاہر خوش وخرم تھے انہوں نے کہا کہ میں مغربی پاکستان کے ہر لیڈر سے بات چیت کے لئے تیار ہوں![2] ڈھاکہ

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء ۲۔ جنگ کراچی ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

۲۰ مارچ کو (اپ پ + پ پ ا) کی اطلاع کے مطابق ایوانِ صدر میں شیخ مجیب الرحمٰن اور صدر یحییٰ کے درمیان بات چیت کا چوتھا دور سوا دو گھنٹے کا ہوا جس میں صدر کے مشیروں نے شرکت کی۔ ان میں جسٹس کارنیلیس، لفٹیننٹ جنرل پیرزادہ اور لفٹیننٹ کرنل حسن شامل تھے شیخ مجیب نے کہا کہ ہم کسی نہ کسی حل پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں![۱] ڈھاکہ ۲۱ مارچ نمائندہ جنگ کی اطلاع کے مطابق پاکستان میں تین وفاقی یونٹ قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی مغربی پاکستان میں دو یونٹ بنا دیے جائیں گے۔ پہلا یونٹ سندھ، پنجاب اور دوسرا سرحد بلوچستان پر مشتمل ہوگا۔ اخباری نمائندے نے خیال ظاہر کیا کہ صدر یحییٰ خان یوم پاکستان کے موقع پر اپنی نشری تقریر میں مجوزہ فارمولے کے اہم نکات کا تذکرہ کریں گے۔ اس فارمولے میں قرارداد لاہور کے بنیادی اصول کو بعض ترمیمات کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ اخباری نمائندے نے مزید اطلاع دی کہ مغربی پاکستان سے سیاسی لیڈروں کی آمد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فارمولے پر بحث کرنے کے لئے کانفرنس ہونے والی ہے۔ مگر بعد میں ہونے والے مذاکرات سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ ایسا کوئی فارمولا زیر بحث آیا تھا۔[۲]

لندن ۲۲ مارچ (ریڈیو رپورٹ) پاکستان کی تازہ ترین سیاسی صورت حال پر بی بی سی نے آج رات ایک تبصرہ میں کہا ہے کہ پاکستان میں قومی اسمبلی کے اجلاس کو ایک بار پھر ملتوی کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں ڈھاکہ میں اہم مذاکرات جاری ہیں۔ آج صبح پہلی بار صورت حال پر غور کرنے کے لئے صدر یحییٰ خان شیخ مجیب اور ذوالفقار علی بھٹو کا مشترکہ اجلاس ہوا مبصرین کا خیال ہے کہ بات چیت میں ابھی تک اس بارے میں مصالحت نہیں ہو سکی کہ ملک میں عارضی حکومت کی حیثیت کیا ہو۔ مغربی پاکستان سے بھٹو کی آمد کے بعد ڈھاکہ کا ماحول یکسر تبدیل ہو گیا ہے۔ آج صبح وہ صدارتی رہائش گاہ گئے تو ان کی کار کے ساتھ دو ٹرک تھے جن پر فوجی سوار تھے اور اس میں تعجب کی بات نہیں کیونکہ مسٹر بھٹو مشرقی پاکستان میں غیر مقبول شخصیت ہیں۔[۳]

ڈھاکہ ۲۳ مارچ (اپ پ) کی اطلاع کے مطابق یوم پاکستان کے موقع پر صدر یحییٰ نے عوام کے منتخب نمائندوں سے اپیل کی کہ وہ مل جل کر اپنے مشترکہ مقصد کے حصول کے لئے

۱۔ جنگ کراچی ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء ۲۔ جنگ کراچی ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء ۳۔ جنگ کراچی ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء



اس طرح کام کریں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ہم آہنگی کا ماحول پیدا ہو جائے۔ صدر یحییٰ نے کہا کہ پاکستان اس وقت نازک دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایسے نازک وقت میں خود ہمارا قومی وجود ہی داؤ پر لگ گیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں صحیح راستے پر چلانے کے لئے ہماری رہنمائی کرے![۱]

ڈھاکہ ۲۴ مارچ (اپ پ) کی اطلاع کے مطابق شیخ مجیب نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ تحریک میں نظم و ضبط برقرار رکھیں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ عوام کا ایک طبقہ فرقہ وارانہ فسادات شروع کر کے تحریک کو سبوتاژ کرنا چاہتا ہے۔[۲]

ڈھاکہ ۲۵ مارچ (اپ پ + پ پ ا) کی اطلاع کے مطابق ذوالفقار علی بھٹو نے صبح صدر یحییٰ خان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مسٹر بھٹو کے ساتھ جے اے رحیم اور مصطفےٰ کھر موجود تھے۔ مسٹر بھٹو نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ عوامی لیگ نے صرف صوبوں میں اقتدار کی منتقلی کا مطالبہ کیا ہے جب کہ پیپلز پارٹی صوبوں کے ساتھ ساتھ مرکز میں بھی اقتدار کی منتقلی چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عوامی لیگ جس صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کرتی ہے وہ حد سے زیادہ ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اصولی طور پر انہوں نے شیخ مجیب کے چاروں مطالبات یعنی مارشل لاء ہٹایا جائے اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کیا جائے، معاملات کی تحقیقات کرائی جائے اور فوج کو بیرکوں میں واپس بھیجا جائے کو تسلیم کر لیا ہے۔[۳]

## شیخ مجیب کی آخری تقریر

۲۵ مارچ کو (اپ پ ا) ڈھاکہ کی اطلاع کے مطابق شیخ مجیب نے اپنی قیام گاہ کے سامنے متعدد جلوسوں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام کے منصفانہ اور جائز مطالبات کو دنیا کی کوئی طاقت بھی نہیں ٹھکرا سکتی۔ شیخ مجیب نے کہا کہ بنگالی یا تو آزاد شہری کی طرح زندگی گزاریں گے یا پھر تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن ناپاک گروہ کے سامنے ہرگز نہیں جھکیں گے۔ انہوں نے مطالبات پورے ہونے تک تحریک جاری رکھنے کی اپیل کی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا میں عوام کے مفاد کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ

۱۔ جنگ کراچی ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء ۲۔ جنگ کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء ۳۔ جنگ کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء

تک بہادو تھا APP کی اطلاع کے مطابق عوامی لیگ کے سربراہ نے گلوگیر آواز میں کہا کہ بنگالی ہر سال سیلابوں اور طوفانوں کی نذر ہو جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان آفات میں مرنے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہم اس مرتبہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے بہت بڑی تعداد میں جانیں دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر صدر یحییٰ خان اور ان کے مشیر سیاسی حل کے خواہشمند ہیں تو انہیں چاہیے کہ فوری طور پر کسی نتیجے پر پہنچیں۔ تاخیر کی صورت میں ملک اور قوم کو بے پناہ مصیبتوں سے گرفتار ہونا پڑے گا۔ اسی دن عوامی لیگ کے سربراہ نے اعلان کیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں فوج کے ہاتھوں متعدد افراد کی ہلاکت پر احتجاج کے لئے، ۲۰ مارچ کو صوبہ بھر میں مکمل ہڑتال کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ شہری آبادی پر فائرنگ اور ظلم و تشدد کی اطلاعات ملی ہیں اور یہ سب کچھ صدر یحییٰ کی ڈھاکہ میں موجودگی کے باوجود ہو رہا ہے جو کمانڈر انچیف ہیں!

یہ شیخ مجیب کی آخری تقریر تھی جو انہوں نے مشرقی پاکستان کی سرزمین پر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے مطالبات پورے ہونے تک تحریک جاری رکھنے کی اپیل کی تھی۔ آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ مذاکرات کے آخری دور میں شیخ مجیب کے مطالبات کیا تھے جہاں تک ریکارڈ کا تعلق ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ عوامی لیگ کے لیڈروں کی صدر سے ۲۴ مارچ کی شام تک ملاقاتیں ہوئیں۔ اس لئے ۲۴ مارچ تک کے مذاکرات کی بنیاد پر ہی مطالبات کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ سوائے ذوالفقار علی بھٹو کے تمام مغربی پاکستان کے سیاسی لیڈر جو ان پیچیدہ سیاسی مذاکرات میں شریک ہوئے تھے ۲۴ مارچ کو ڈھاکہ سے لاہور اور کراچی کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ ۱۹ مارچ سے ۲۴ مارچ تک بڑے اہم مذاکرات ہوئے اور انہیں پانچ دنوں میں مختلف آئینی مسودے زیر بحث لائے گئے۔ پہلے مسودے میں جو غالباً صدر، ان کے مشیروں اور چند مغربی پاکستان کے لیڈروں کی متفقہ رائے سے تیار کیا گیا تھا زیادہ سے زیادہ عوامی لیگ کے مطالبات کو سمونے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس مسودے میں مرکزی اور صوبائی کابینہ کا قیام۔ قومی و صوبائی اسمبلیوں کو وہ اختیارات تفویض کرنے کی تجویز جو ۱۹۶۲ء کے آئین میں تھے۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور فوجی عدالتوں کا خاتمہ شامل تھا مگر

---

۱۔ جنگ کراچی، ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء



مکمل اقتدار کی منتقلی تک صدر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے فرائض انجام دیتا رہے گا تاکہ قانونی خلا پیدا نہ ہو جائے۔ مذاکرات بند کمروں میں ہوتے تھے کیا تجاویز پیش ہوئیں اور پہلے اور دوسرے مسودے میں کن ہاتھوں کے ذریعے ترمیم و تنسیخ ہوئی۔ ریکارڈ سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ مذاکرات کے درمیان صدر کے آئینی مشیر جسٹس کارنیلیس اور عوامی لیگ کے آئینی مشیر پروہی تھے۔ ۲۱ مارچ کو صدر کی شیخ مجیب الرحمٰن سے غیر رسمی ملاقات ہوئی جس میں شیخ نے کہا کہ وہ مرکزی کابینہ کا قیام نہیں چاہتے۔ اسی اثنا میں ذوالفقار علی بھٹو بھی صدر کی دعوت پر ڈھاکہ پہونچ چکے تھے۔ عوامی لیگ ذوالفقار علی بھٹو سے ناخوش تھی اس لئے شیخ مجیب نے علی الاعلان بھٹو سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بہرصورت صدر نے دونوں لیڈروں کی میٹنگ کرادی۔ پروفیسر رشبروک ولیمز کہتے ہیں کہ اس میٹنگ میں یہ مسودہ بھٹو اور تاج الدین احمد کو دیا گیا تھا کہ آپس میں اس مسودے پر بات چیت کریں اور نتائج سے صدر کو آگاہ کریں۔ مذاکرات ۲۴ مارچ تک ہوتے رہے۔ فریقین کی جانب سے اخبارات میں ناکامی کا دھندلا سا اشارہ بھی نظر نہیں آیا۔ سوائے ذوالفقار علی بھٹو کے تمام مغربی پاکستان کے لیڈر ۲۵ مارچ کو مغربی پاکستان پہونچ چکے تھے۔ ڈھاکہ سے واپسی پر ولی خان، دولتانہ، قیوم، مفتی محمود اور شاہ احمد نورانی نے مذاکرات پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے اپنے بیانات میں جو کچھ کہا اسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

باب ۷

# سیاسی لیڈروں کے بیانات

قیوم خان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیڈروں کے درمیان شیخ مجیب الرحمٰن اور صدر یحییٰ کے درمیان طے پانے والے اصولوں پر تبادلۂ خیال جاری تھا۔ دولتانہ نے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کو متحد کرنے کی بہترین کوشش کر رہے ہیں۔ سیاسی صورتحال کافی اطمینان بخش ہے۔ لاہور ۲۵ مارچ۔ (اپ پ ا) کی اطلاع کے مطابق میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور سردار شوکت حیات ڈھاکہ سے لاہور واپس آگئے انہوں نے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کو متحد کرنے کی بہترین کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ سیاسی صورت حال کافی اطمینان بخش ہے۔ ولی خان نے ڈھاکہ سے واپسی پر اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کا علمبردار کہتے رہے ہیں انہوں نے عوام کو مایوس کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری کوشش یہ ہے کہ فریقین دستور ساز اسمبلی میں پہنچیں۔ کیونکہ انتخابات اس لئے کرائے گئے تھے کہ منتخبہ نمائندے اسمبلی میں پہنچ کر دستور بنائیں۔ لیکن بعض عناصر اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ صدر نے اب تک جتنے کام کئے ہیں وہ ملیامیٹ ہو جائیں۔ جو پارٹی پورے مغربی پاکستان میں اکثریتی پارٹی ہونے کی مدعی ہے اس کا سرحد اور بلوچستان میں نام و نشان نہیں۔ محض پنجاب اور سندھ کی اکثریت کے سہارے آگے بڑھنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں ون یونٹ کا دوبارہ قیام ہے۔[1]

مولانا نورانی نے کہا کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل نہیں کیا گیا تو ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا موقف شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ اقتدار اکثریتی پارٹی کو منتقل کر دیا جائے۔

مفتی محمود نے کہا کہ یہ امر قابل اطمینان ہے کہ ملک کی سالمیت اور استحکام کے سلسلے

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء

میں ہم نے خلوص اور دیانت کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو ہم کر سکتے تھے۔

خان قیوم نے ڈھاکہ سے واپسی پر کراچی ائیر پورٹ پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیڈروں کے درمیان شیخ مجیب الرحمٰن اور صدر یحییٰ کے درمیان طے پانے والے اصولوں پر تبادلۂ خیال جاری ہے انہوں نے کہا کہ صدر یحییٰ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے کے سلسلے میں بالکل مخلص ہیں اور جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ان سے جب یہ سوال کیا گیا کہ ابھی جب کہ مذاکرات جاری ہیں آپ فوراً ہی ڈھاکہ سے کیوں لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا کہ صدر یحییٰ کی دعوت پر میں وہاں گیا اور مذاکرات مکمل ہو جانے کے بعد میرے وہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی!

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ لیڈر ڈھاکہ سے روانہ ہو رہے تھے اس وقت عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیڈروں کے درمیان مذاکرات جاری تھے۔ چند گھنٹوں کے اندر کیا ہوا اس کا اندازہ ریکارڈ کے ذریعے لگانا ممکن نہیں۔ تاہم بعد میں صدر کی نشری تقریر سے اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی تقریر سے پاکستانی عوام کو معلوم ہوا کہ عوامی لیگ نے پہلے مسودے میں ترمیم کر دی تھی۔ عوامی لیگ اس بات پر مصر تھی کہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے قبل مارشل لاء ہٹایا جائے اور اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ صوبائی حکومتیں قائم کر دی جائیں۔ ابتداء ہی میں قومی اسمبلی کا اجلاس دو کمیٹیوں پر ہو اس طرح کہ ایک کمیٹی مشرقی پاکستان کے ممبروں اور دوسری کمیٹی مغربی پاکستان کے ممبروں پر مشتمل ہو۔ جو بعد میں آئینی کنونشن کی صورت اختیار کر جائیں۔ بعد میں یہ دونوں کمیٹیاں پاکستان کے وفاق کے لئے آئین مرتب کریں۔ صدر یحییٰ خان نے عبوری حکومت کا مطالبہ تسلیم کر لیا تھا مگر واضح کر دیا تھا کہ جب عبوری حکومت آئین تیار کرے گی مارشل لاء ختم کر دیا جائے گا۔ اس ترمیم شدہ مسودے کا ذکر قرطاس ابیض میں بھی موجود ہے جس پر مذاکرات ناکام ہوئے اور صدر یحییٰ خان نے ۲۶ مارچ کی شام کو فوجی کارروائی کے متعلق قوم کو آگاہ کیا۔

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء



باب ۱۱

# فوجی کارروائی سے متعلق صدر کی تقریر

"میرے پیارے ہم وطنو! السلام علیکم۔ اس ماہ کی ۶ تاریخ کو میں نے قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کی نئی تاریخ ۲۵ مارچ کا اعلان اس توقع پر کیا تھا کہ حالات اجلاس مقرر کرنے کی اجازت دیں گے تاہم اس دوران جو واقعات ہوئے ہیں ان سے یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی جانب سے عدم تعاون اور نافرمانی کی تحریک چلائی گئی اور معاملات نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی۔ یہ بات انتہائی ضروری ہو چکی تھی کہ صورت حال کو جلد سے جلد قابو میں لایا جائے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے مغربی پاکستان میں سیاسی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لئے شیخ مجیب الرحمٰن سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔ مغربی پاکستان کے لیڈروں سے صلاح مشورے کرنے کے بعد میرے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں ایسے ہی صلاح مشورے مشرقی پاکستان میں بھی کروں تاکہ سمجھوتے کے دائرہ کار کا تعین ہو سکے اور کوئی پر امن تصفیہ ہو سکے ......... شیخ مجیب الرحمٰن سے جب میری بات چیت ایک خاص مرحلہ میں داخل ہوئی تو میں نے مغربی پاکستان کے لیڈروں سے ڈھاکہ میں مذاکرات کا ایک اور دور شروع کرنا ضروری سمجھا۔ مسٹر ذیڈ اے بھٹو ۲۱ مارچ کو وہاں پہنچے اور میں نے ان سے کئی ملاقاتیں کیں۔ جیسا کہ آپ واقف ہیں۔ عوامی لیگ کے لیڈر نے قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے مارشل لاء ہٹانے اور اقتدار کی منتقلی کا مطالبہ کیا تھا۔ ہمارے مذاکرات کے دوران انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس عبوری مدت کو میرے ایک اعلان کے ذریعہ اس طرح پورا کیا جائے کہ مارشل لاء ہٹا لیا جائے۔ صوبائی حکومتیں قائم کر دی جائیں اور قومی اسمبلی کا اجلاس ابتداء میں دو کمیٹیوں پر ہو اس طرح کہ ایک کمیٹی مشرقی پاکستان کے ممبروں اور دوسری کمیٹی مغربی پاکستان کے ممبروں پر مشتمل ہوں۔ اس کے وجود کے قانونی اور ساتھ ہی دوسرے پہلوؤں کے اعتبار سے اس اسکیم میں بعض سنگین خامیاں موجود تھیں۔ میں نے اقتدار کی پر امن منتقلی کے مفاد میں

اصولی طور پر اس منصوبے سے اتفاق کرنے پر تیار ہو گیا لیکن ایک شرط پر، یہ شرط جس کی میں شیخ مجیب الرحمٰن کے سامنے صاف طور پر وضاحت کر چکا تھا یہ تھی کہ مجھے سب سے پہلے اس اسکیم کے بارے میں تمام سیاسی لیڈروں کی جانب سے مکمل اتفاق رائے کا تعین ہونا چاہیئے اس کے بعد میں نے اس تجویز پر دوسرے سیاسی لیڈروں سے تبادلہ خیال کیا مجھے معلوم ہوا کہ وہ سب یہ متفقہ رائے رکھتے ہیں کہ میری جانب سے مجوزہ اعلان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اسے نہ تو مارشل لاء کا تحفظ حاصل ہوگا اور نہ اس بارے میں یہ دعویٰ کیا جا سکے گا کہ یہ عوام کی مرضی کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس طرح ایک خلا پیدا ہو جائے گا اور افراتفری کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا کہ قومی اسمبلی کو ایک اعلان کے ذریعہ دو حصوں میں تقسیم کرنے سے علیحدگی پسندی کے رجحانات کی جو موجود ہو سکتے ہیں حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس لئے انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر مارشل لاء ہٹانا اور عبوری مدت کے لئے اقتدار منتقل کرنا مقصود ہے تو قومی اسمبلی کا اجلاس ہونا چاہیے تاکہ ایک مناسب عبوری آئینی بل منظور کرنے کے بعد اسے میری منظوری کے لئے پیش کیا جا سکے۔ میں نے ان کے اس خیال سے مکمل طور پر اتفاق کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ شیخ مجیب سے کہیں کہ وہ اس مسئلہ پر معقول رویہ اختیار کریں۔

۲۳ مارچ کی شام کو سیاسی لیڈروں نے جو اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے مجیب کے پاس گئے تھے، مجھ سے ملاقات کی اور مجھے بتایا کہ وہ اپنی اسکیم میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔ حقیقت میں وہ (شیخ مجیب) مجھ سے جو کچھ چاہتے تھے وہ صرف یہ تھا کہ میں ایک ایسا اعلان کر دوں جس کے تحت مارشل لاء ہٹا کر اقتدار منتقل کر دیا جائے شیخ مجیب الرحمٰن نے عدم تعاون کی جو تحریک شروع کی تھی وہ غداری کا فعل تھا انہوں نے اور ان کی پارٹی نے تین ہفتے سے زیادہ عرصہ تک قانون کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے پاکستان کے پرچم کی توہین اور بابائے قوم کی تصویر کی بے حرمتی کی۔ وہ متوازی حکومت چلانے کی کوشش کر چکے ہیں۔ انہوں نے افراتفری دہشت گردی اور عدم تحفظ کا ماحول پیدا کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں پہلے ہی اپنی اور مختلف سیاسی لیڈروں کی ان کوششوں کا ذکر کر چکا ہوں جو شیخ مجیب الرحمٰن



کو معقول رویہ اختیار کرانے کے لئے کی جا چکی ہیں۔ ہم نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن وہ کسی بھی تعمیری انداز میں اپنے ردعمل کا اظہار کرنے میں ناکام رہے۔ دوسری بات وہ اور ان کے حامی ڈھاکہ میں میری موجودگی کے دوران بھی حکومت کے اختیارات کے خلاف قانونی خلاف ورزیاں کرتے رہے۔ جس اعلان کی انہوں نے تجویز پیش کی تھی وہ سوائے ایک پھندے کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کی حیثیت تحریر شدہ کاغذ کے سوا اور کچھ نہ ہوگی اور مارشل لاء ہٹانے سے جو خلا پیدا ہوگا اس میں بلا روک ٹوک جو جی میں آئے کارروائی کر سکیں گے۔ ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور معقول بات چیت کرنے سے سرے سے انکار سے صرف ایک نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہ شخص اور اس کی پارٹی پاکستان کے دشمن ہیں اور وہ مشرقی پاکستان کو ملک سے مکمل طور پر علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس ملک کے استحکام اور یکجہتی پر حملہ کیا ہے اس جرم کو معاف نہیں کیا جائے گا ہم بعض اقتدار کے بھوکے اور غیر محب وطن افراد کو اس ملک کو تباہ کرنے اور ۱۲ کروڑ عوام کی قسمت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے ۶ مارچ کو قوم کے نام اپنی تقریر میں میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ پاکستان کی مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ پاکستان کی یکجہتی، استحکام اور سلامتی کی ضمانت دے۔ میں انہیں اپنے فرائض پورے کرنے اور حکومت کے اختیارات بحال کرنے کا حکم دے چکا ہوں اس وقت ملک میں جو سنگین صورت حال موجود ہے اس کے پیش نظر ملک بھر میں تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا ہے جہاں تک عوامی لیگ کا تعلق ہے اسے سیاسی پارٹی کی حیثیت سے مکمل طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے میں نے مکمل سنسر شپ نافذ کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے ان فیصلوں کی روشنی میں بہت جلد مارشل لاء کے ضوابط جاری کئے جائیں گے۔"[1]

جب صدر پاکستان ریڈیو سے اپنی نشری تقریر کر رہے تھے اس سے ایک دن پہلے مشرقی پاکستان کا چارج جنرل ٹکا خان کے سپرد کر دیا گیا تھا اور رات کے ڈیڑھ بجے ۲۵ مارچ کو عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کو ان کی دھان منڈی کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا جا چکا تھا۔ عوامی لیگ کے دوسرے لیڈر تاج الدین احمد، مشتاق احمد خوندکر، نذرالاسلام قمرالزماں، منصور علی وغیرہ سرحد پار فرار ہو چکے تھے۔ اگر عوامی لیگ کے یہ سرکردہ لیڈر مارشل لاء

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

حکام کے ہاتھ آجاتے تو تحریک آزادی کامیاب نہ ہوتی جو شیخ مجیب کی گرفتاری کے بعد دن بدن زور پکڑتی چلی گئی، اور یحییٰ حکومت کی انتھک کوشش کے بعد بھی بنگالیوں کو قابو میں نہ لایا جا سکا۔ ان عوامی لیگی لیڈروں نے نہ صرف سرحد پار سے تحریک کی رہنمائی کی بلکہ مولانا بھاشانی کو بھی یہی لوگ زبردستی اٹھا کر ہندوستان لے گئے کیونکہ انہیں یہ خدشہ تھا کہ مولانا بھاشانی بعد میں فوجی حکومت کے تعاون سے بنگالیوں میں عوامی لیگ کو غیر مقبول بنا کر دوبارہ کسی صورت میں فرضی اقتدار سنبھال لیں گے۔

یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کا فیصلہ صرف صدر یحییٰ خان کا اپنا تھا یا اس پر ملک کے تمام سیاسی لیڈر بھی متفق تھے۔ اخباری ذرائع سے تو پتہ چلتا ہے کہ فوجی کارروائی سے پہلے صدر یحییٰ نے ڈھاکہ ہی میں ملک کے تمام سیاسی لیڈروں سے مشورہ کیا۔ فوجی کارروائی پر بعض سیاسی لیڈروں نے خاموشی اور محتاط رویہ اختیار کیا اور بعض نے فوجی کارروائی کو ملک کے لئے نیک فال قرار دیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو فوجی کارروائی کے بعد ۲۶ مارچ کو دن کے پانچ بج کر پچاس منٹ پر کراچی ایئرپورٹ پر اترے۔ مسٹر بھٹو نے اخبار نویسوں سے صرف اتنا کہا "خدا کا شکر ہے، پاکستان بچ گیا"۔ ۱ پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کے سربراہ خان عبدالقیوم خان نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "عوامی لیگ کا چھ نکاتی پروگرام ایک علیحدگی پسندانہ اور کھلا باغیانہ اقدام تھا انہوں نے مشرقی پاکستان میں حکومت کے اقدام کو ملک کے تحفظ کے لئے صحیح، بروقت اور قطعی منصفانہ قرار دیا"۔ ۲

جنوری سنہ ۷۰ء میں شیخ مجیب کے بارے میں سن میگزین نے ایک نجومی کا زائچہ شائع کیا تھا جو سچائی کے اعتبار سے بڑا دلچسپ ثابت ہوا۔ شیخ مجیب الرحمٰن یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش کے مطابق وہ ماہی کی صفات رکھتے ہیں ان کا چاند زائچۂ ولادت میں گیارہویں خانے میں ہے۔ مگر انہیں بڑی جدوجہد کے بعد اپنے مقاصد میں کامیابی ہوگی۔ ان کی زندگی کے آنے والے تین سال بڑے اہم ہیں۔ وہ بڑا مرتبہ حاصل کریں گے

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۸ مارچ ۱۹۷۱ء

۲۔ جنگ کراچی ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء



اور مقبول عام ہو جائیں گے۔ ان کا اور بھٹو کا زائچہ ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ شیخ مجیب کو اپریل ۱۹۷۱ء تا اکتوبر بہت ہوشیار رہنا چاہیئے کیوں کہ اس مدت میں پاکستان کا ستارہ خطرے میں ہوگا۔ شیخ مجیب ستمبر ۱۹۷۲ء تک غیر متنازعہ اقتدار کے مالک ہوں گے"۔

باب ۱۲

# بنگالیوں کا ردعمل

مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مسلم لیگ کو کانگریس کے مقابلے میں کامیاب بنایا تھا. تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ عام انتخابات میں انہیں بھرپور اکثریت حاصل ہوئی تھی . وہ ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے تھے انہیں یہ امید نہیں تھی کہ حالات ایسا رُخ اختیار کریں گے کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی ۔ ۲۶ مارچ کی رات کو فوجی کارروائی کے بعد سارے مشرقی پاکستان میں دہشت گردی کا بازار گرم ہوگیا ۔ شیخ مجیب اور عوامی لیگ کے حامیوں نے مورچے سنبھال لئے . ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے بنگالی فوجیوں نے بغاوت کردی . سابق کرنل عثمانی کو مکتی باہنی کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیاگیا اور میجر جنرل مجید اور لیفٹیننٹ کمانڈر معظم کو سابق فوجیوں کی بھرتی پر مامور کر دیا گیا . مکتی باہنی اور عوامی لیگ کے رضا کاروں نے غیر بنگالیوں اور اردو بولنے والوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے مہم شروع کردی . چٹا گانگ میں سارا شہر ایسٹ بنگال رجمنٹ کے قبضے میں رہا . ایسٹ پاکستان رائفلز اور عوامی لیگ کے رضا کار لوٹ مار اور آتشزنی کرتے رہے . مرد، عورتیں اور بچے باقاعدہ مذبح خانے میں ذبح کئے جاتے رہے . جسموں سے پچکاری کے ذریعے خون کھینچا جاتا تھا اس کے بعد لاشیں ٹکڑے کر کے پھینک دی جاتی تھیں . ہلاک شدگان کی تعداد ۱۰ ہزار سے ۱۲ ہزار تک تھی . کرنافلی پیپر مل چندراگونہ اور ملحقہ علاقے میں بڑے پیمانے پر لوٹ مار . آتش زنی اور قتل عام ہوا . عورتوں کو گھروں میں مقفل کر کے زندہ جلا دیا گیا . ۲۰۰۰ افراد ہلاک . رنگا ماٹی میں ۵۰۰ مغربی پاکستانیوں کو گھیر کر قتل کر دیا گیا . پوری جھم جھم پوری کالونی کے باشندوں کو قتل کر دیا گیا . ۴۰۰ سو سے لے کر ۵۰۰ عورتوں کو دریائی راستے سے اغوا کر لیا گیا . انسانی کھوپڑیاں اور جسم کے ٹکڑے تمام علاقے میں بکھرے ہوئے ملے . تقریباً ۳۰۰۰ ہلاک اور ۲۰۰۰ لاپتہ . کالی گنج

میں عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ بڑے پیمانے پر آتش زنی اور لوٹ مار ہوئی تقریباً ۳۰۰ ہلاک۔ کشتیا ٹاؤن میں باغی EPR نے بہاریوں پر اور پاکستانی افواج پر اندھا دھند فائرنگ کی ۱۳ دن تک دہشت گردی کا بازار گرم رہا۔ ۱۰۰۰ سے ۱۵۰۰ تک ہلاک۔ چواڈانگا میں بہاریوں اور مغربی پاکستانیوں کو گھیر کر مار ڈالا گیا۔ تقریباً ۵۰۰ ہلاک۔ مہرپور میں دو ہفتے تک مار دھاڑ ہوتی رہی تقریباً ۶۰۰ ہلاک۔ بوگرا میں جیل توڑ دی گئی۔ قبیلوں کو لوٹ مار اور تشدد کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ تقریباً ۲۰۰۰ ہلاک۔ نیوگاؤں سنتاہر میں تمام بہاری آبادی کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ تقریباً ۱۵۰۰ ہلاک۔ PABNA میں دو ہفتے تک دہشت گردی کا بازار گرم رہا۔ بعد میں پاکستانی فوج آگئی۔ تقریباً ۲۰۰ ہلاک۔ سراج گنج میں غنڈوں نے ۳۵۰ مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک عمارت میں لے جا کر آگ لگا دی۔ رنگ پور میں سینکڑوں گھروں کو ان کے باشندوں سمیت نذر آتش کر دیا گیا۔ نیل پھاماری میں ۵ ہزار کی آبادی میں تقریباً ۲۷۰۰ افراد قتل کر دیے گئے۔ دیناج پور میں EBR نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بیدردی کے ساتھ ہلاک کر ڈالا۔ پیڑوں پر سر لٹکا دیے گئے۔ ۴۰۰ لڑکیاں اغوا کر لی گئیں اور تقریباً ۵۰۰۰ ہلاک۔ ٹھاکر گاؤں میں EBR نے بغاوت کر دی اور بہاریوں کی بیشتر آبادی کو قتل کر ڈالا۔ عورتوں کے ساتھ زنا کیا گیا۔ حاملہ عورتوں کے سنگین گھونپ دی گئی۔ نوزائیدہ بچوں کے ٹکڑے کر دیے گئے اور لاشوں کو برہنہ گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ تقریباً ۳۰۰۰ ہلاک۔ پربتی پور، پوچھ گڑھ اور پھول باری میں تقریباً ۵۰۰۰ ہزار افراد ہلاک کئے گئے۔ راجشاہی میں تقریباً ۲۰۰۰ ہلاک۔ برہمن باریہ میں EPR کے حکم سے بہاریوں کو گھیر کر جیل میں ہلاک کر دیا گیا۔ تقریباً ۵۰۰ ہلاک۔ مائمن سنگھ میں باغی EBR اور EPR نے اپنے مغربی فوجی بھائیوں کو مار ڈالا جس میں افسران بھی شامل تھے۔ شاہی پورہ میں تقریباً ۱۵۰۰ افراد کو قتل کر دیا گیا۔[۱]

EBR. EAST BENGAL REGIMENT.
EPR. EAST PAKISTAN RIFLES.

۱۔ قرطاس ابیض۔ صفحہ نمبر 64-69



باب ۱۳

# میاں قصوری کے انکشافات

لاہور ۱۳ اپریل پی پی آئی کی اطلاع کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی کے وائس چیئرمین میاں محمود علی قصوری نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان کے ہر حصے میں پاکستان سے وفاداری کے مظاہرے ہو رہے ہیں اور یہ بات بڑی آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ایک پاکستان کے حق میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ بعض مغربی پاکستانی لیڈروں میں یہ رجحان ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان آخری رابطہ ظاہر کیا جائے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت ایک پاکستان کے حق میں ہے۔ انہیں صرف صوبائی خود مختاری کے لئے ووٹ دینے کو کہا گیا تھا انہیں کبھی یہ نہیں بتایا گیا کہ چھ نکات علیحدگی پر منتج ہوں گے۔ محمود علی قصوری نے خیال ظاہر کیا کہ بنگلہ دیش کا منصوبہ مارچ سے بہت پہلے تیار کر لیا گیا تھا لیکن اصل منصوبے میں تبدیلی کر دی گئی اور تبدیلی یہ تھی کہ اقتدار میں آنے کے بعد عوامی لیگ ایسے حالات پیدا کر دے گی کہ مغربی پاکستان اپنے آپ کو مشرقی پاکستان سے علیحدہ کر لے۔ پیپلز پارٹی کے وائس چیئرمین نے خیال ظاہر کیا کہ صدر کو شیخ مجیب الرحمٰن کو شک میں نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ صدر کا شاید یہ خیال تھا کہ بعض لیڈر دوہرا کھیل کھیل رہے ہیں۔ بعض لیڈروں نے ۲۴ مارچ کو بھی شیخ مجیب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی تھی۔

"ڈھاکہ ۲۴ مارچ۔ اسٹاف رپورٹر جنگ کی اطلاع کے مطابق میاں ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات، خان عبدالولی خان، غوث بخش بزنجو مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا مفتی محمود نے مشترکہ طور پر شیخ مجیب سے رہائش گاہ پر ملاقات کی اور ڈیڑھ گھنٹے تک بات چیت ہوئی!

انہوں نے کہا کہ اقلیتی پارٹی کے لیڈر اقتدار کی خاطر عوامی لیگ سے تعاون کر رہے تھے۔

"ڈھاکہ ۲۰ مارچ۔ (اپ پ + پ پ ا) کی اطلاع کے مطابق آج

۱۔ جنگ کراچی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء۔ نوٹ: مصنف نے میاں قصوری کے انکشافات کی تائید یا تردید میں چند اخباری بیانات کا ٹکڑے درمیان میں پیوست کر دیا ہے تاکہ قارئین کو صحیح پوزیشن معلوم ہو جائے۔

یہاں عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن سے میاں ممتاز محمد دولتانہ اور مولانا مفتی محمود نے ان کی دھان منڈی کی قیام گاہ پر علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ سہ پہر کی ملاقات میں دولتانہ کے ساتھ سردار شوکت حیات بھی تھے بات چیت ایک گھنٹے تک بند کمرے میں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم عوام کے مطالبے پر یہاں آئے ہیں۔ ہم شیخ مجیب کو اپنا بھائی، عزیز ترین دوست اور رہنما سمجھتے ہیں میاں دولتانہ نے بتایا کہ ان کی پارٹی اقلیتی ہے اسلئے اقتدار میں شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اگر پاکستان قائم رہا اور ایک آئین بھی بن گیا تو پھر ہم اپنے وقت پر اقتدار میں حصہ لیں گے۔ انہوں نے صاف کہا کہ حکومت میں حصہ دار بننا نہیں چاہتے![1]

مسٹر قصوری نے کہا کہ صدر یحییٰ خان ۱۵ مارچ کو ڈھاکہ پہنچے تھے اور انہوں نے ۲۴ مارچ کی رات تک شیخ مجیب سے ملاقاتیں کیں لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ۲۳ مارچ کو جب کہ مذاکرات ہو رہے تھے پاکستان کی ہر نشانی مٹا دی گئی۔ ہائی کورٹ اور سیکریٹریٹ کی عمارتوں پر بنگلہ دیشی پرچم لہرا دیا گیا۔ پرچم بڑی تعداد میں تھے اور کوئی یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ ایک دن میں تیار کئے گئے تھے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے غیر ملکی اخباری نمائندوں کو بنگلہ دیش کے پرچم تقسیم کرتے دیکھا ہے۔

ڈھاکہ ۲۱ مارچ نمائندہ جنگ کی اطلاع کے مطابق مشرقی پاکستان میں یوم پاکستان قرارداد لاہور کے یوم کی حیثیت سے منایا جا رہا ہے اس کی تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں اس روز مولانا بھاشانی "سادھن بنگلہ" کا پرچم لہرائیں گے۔"[2]

انہوں نے کہا کہ مسٹر بھٹو ۲۱ مارچ کو ڈھاکہ پہونچے اور دوسرے دن شیخ مجیب سے ملے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صورت حال اس ملاقات کا نتیجہ تھی۔[3]

---

۱۔ جنگ کراچی ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء ۲۔ جنگ کراچی ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء ۳۔ جنگ کراچی ۲۸ مارچ ۱۹۷۱ء



باب ۷

# مارچ سے نومبر تک کے واقعات

فوجی کارروائی نے وقتی طور پر حالات کو قابو میں کر لیا تھا۔ کامیاب فوجی کارروائی کی وجہ سے ہندوستان نے اس وقت مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کیا۔ پاکستان کی مسلح افواج نے ٹکا خان کی سربراہی میں اس مقصد کو حاصل کر لیا تھا جو ان کے سپرد کیا گیا تھا یعنی مشرقی پاکستان میں امن وامان کی بحالی۔ اب یہ صدر یحییٰ خان کا کام تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرتے۔ بعض محب وطن بنگالی لیڈروں نے صدر یحییٰ خان کی توجہ سیاسی حل کی جانب مبذول کرائی لیکن مشرقی پاکستان کے پیچیدہ سیاسی حالات کی نزاکت کو شاید صدر یحییٰ خان سمجھ نہ سکے۔ ممتاز بنگالی شخصیت ڈاکٹر اے ایم مالک نے ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء کو صدر یحییٰ خان کو ایک خط میں لکھا کہ

"ہمیں ٹھنڈے دل سے اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ کسی قسم کی فوجی کارروائی خواہ وہ کتنی ہی دانشمندانہ کیوں نہ ہو ملک کے دونوں بازوؤں کو امن وسکون سے متحد اور ہم آہنگ نہیں رکھ سکتی۔ باوجود ان واقعات کے جو حال ہی میں رونما ہوئے ہیں اب بھی ہم ایک قوم کے طور پر رہ سکتے ہیں۔"

اس خط کے آخر میں ڈاکٹر مالک نے کئی مشورے پیش کئے جن میں دو یہ ہیں۔

۱۔ ایک وائٹ پیپر جاری کر کے عوامی لیگ کے چھ نکات اور اسمبلی میں شرکت کی چار شرائط کو مان لیا جائے۔ اس وائٹ پیپر میں عوامی لیگ کی آخری تجویز کی تفصیلات دی جائیں، جن کی وجہ سے حکومت فوری قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئی۔

۲۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی جن تجاویز کو مان لیا گیا تھا اب ان پر بغیر کسی تاخیر کے عمل کیا جائے تاکہ صدر صاحب اپنے خلوص کا ثبوت پیش کرسکیں اور مشرقی پاکستان کے بددل عوام کا اعتماد بھی حاصل کرسکیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی معاشرتی انصاف پر عمل کرنے کا بھی مشورہ دیا

اور مزید یہ لکھا کہ "ہم اکثریت کے مطالبے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ موجودہ الجھن سے نکلنے کے لئے فراخدلی، بصیرت اور حقیقت شناسی کی اشد ضرورت ہے۔ سیاسی مسائل خواہ کتنے ہی پیچیدہ ہوں انہیں صرف اور صرف سیاسی طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے۔" کہا جاتا ہے کہ صدر یحییٰ خان نے اس خط کو سرسری طور پر دیکھ کر دستخط کر دیے اور اسے داخل دفتر کر دیا۔[1]

مشرقی پاکستان میں نظم و نسق درہم برہم ہونے کے باعث لاکھوں بنگالی سرحد پار بھاگ گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں پناہ لے لی تھی۔ ڈھاکہ سے جاری کئے جانے والے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مشرقی پاکستان میں غیر یقینی حالات کے دوران ۳۰ لاکھ ۲ ہزار ۶ سو ۲۳ افراد اپنے گھروں کو چھوڑ گئے تھے۔[2] ہندوستان نے مشرقی پاکستانی پناہ گزینوں کے مسئلے کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ان کی اخلاقی امداد حاصل کرکے سفارتی کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ پناہ گزین ہندوستان کے لئے ایک بھاری اقتصادی بوجھ بن گئے تھے لیکن اس نے انہیں اس وقت تک برداشت کیا جب تک کہ مشرقی پاکستان کو ختم کرکے اپنا سب سے بڑا سیاسی مقصد حاصل نہیں کر لیا۔ ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کرانے کی غرض سے چھاپہ ماروں کو بھی تربیت دی۔ ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء کو ہندوستان نے روس کے ساتھ بیس سالہ دفاعی معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے سے ہندوستان نے اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط بنالی۔

مارچ میں بات چیت ناکام ہونے کے بعد صدر یحییٰ نے عوامی لیگ کو غیر قانونی قرار دیا تھا اور شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی۔ بعد میں حکومت نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں اسمبلیوں کے منتخب ممبران اگر کالعدم عوامی لیگ سے علیحدہ ہو جائیں تو وہ انفرادی حیثیت سے اپنی نشستیں برقرار رکھ سکتے ہیں۔ بعد میں کالعدم عوامی لیگ کے قومی اسمبلی کے ۷۸ اور صوبائی اسمبلی کے ۱۰۵ منتخب ممبران کو نااہل قرار دیا گیا۔ خالی ہونے والی نشستوں کی اکثریت مشرقی پاکستان کے شمالی علاقوں میں تھی۔

۱۹ ستمبر کو الیکشن کمیشن نے مشرقی پاکستان میں کالعدم عوامی لیگ کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے نااہل ممبران کی خالی نشستوں کے لئے ضمنی انتخابات کے پروگرام کا اعلان کیا کہ ضمنی انتخابات کی پولنگ ۲۵ نومبر سے ۹ دسمبر کے درمیان ہوگی۔ قومی اسمبلی کے انتخابات کے لئے

۱۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم خان۔ پاکستان کا المیہ ۱۹۷۱ء۔ آرمی ایجوکیشن پریس پوسٹ بکس نمبر ۱۰۹ راولپنڈی صفحہ نمبر ۱۲۷، ۱۲۸۔ ۲۔ جنگ کراچی ۳ ستمبر ۱۹۷۱ء۔



کاغذات نامزدگی ۲۹ ستمبر کو اور صوبائی اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی ۳۰ ستمبر کو وصول کئے جائیں گے۔ نام واپس لینے کی آخری تاریخ ۸ اکتوبر مقرر کی گئی۔ الیکشن کمیشن نے قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی جن نشستوں کے ضمنی انتخابات کا اعلان کیا ان میں کالعدم عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کی نشست شامل نہیں تھی۔ شیخ مجیب قومی اسمبلی میں ڈھاکہ این ای ۱۱۱ سے منتخب ہوئے تھے۔ شیخ مجیب کے علاوہ ڈاکٹر کمال حسین کی نشست کو بھی خالی قرار نہیں دیا گیا تھا۔ جو مغربی پاکستان میں زیر حراست تھے۔ ۲۱ ستمبر کو ضمنی انتخابات کے پروگرام میں ۲۱ دن کی توسیع کر دی گئی۔ سیاسی جماعتوں کے مطالبہ پر یہ قدم اٹھایا گیا۔ ۳ اکتوبر کو اعلان کیا گیا کہ مشرقی پاکستان میں مزید ۸۸ صوبائی اسمبلی کی نشستوں کے لئے ضمنی انتخابات ۱۸ دسمبر اور ۷ جنوری ۱۹۷۲ء کے درمیان ہوں گے۔ ۱۹ اکتوبر کو اعلان کیا گیا کہ مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کی ۷۸ اور صوبائی اسمبلی کی ۱۰۵ نشستوں کے ضمنی انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی ۳۰ اکتوبر کو اور مزید ۸۸ صوبائی نشستوں کے لئے یکم نومبر کو وصول کئے جائیں گے۔

مشرقی پاکستان کی سیاسی فضا ضمنی انتخابات کے لئے سازگار نہ تھی۔ بنگالی کسی ایسے حل کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے جو عوامی لیگ اور اس کے لیڈر شیخ مجیب کی شرکت کے بغیر ہو۔ صدر یحییٰ کی حکومت اور مغربی پاکستانی سیاست دانوں دونوں نے مل کر بہت کوشش کی کہ عوامی لیگ کے منتخب ممبران اسمبلی عوامی لیگ سے علیحدگی اختیار کرکے حکومت کی حمایت کا اعلان کر دیں مگر عوامی لیگ کا ایک اسمبلی کا ممبر بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی، نظام اسلام اور تینوں مسلم لیگوں نے مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کی ۷۸ نشستوں کے ضمنی انتخابات کے لئے امیدوار نامزد کرنے کا ایک متفقہ فارمولا تیار کیا جس کے تحت ۶ جماعتوں نے اپنے بارہ بارہ امیدوار نامزد کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس طرح ۷۲ نشستوں کا مسئلہ طے کر لیا گیا باقی ۶ نشستوں پر مشترکہ اور متفقہ امیدوار نامزد کرنے کا اختیار جمہوری پارٹی کے رہنما اور بزرگ سیاستدان نور الامین کو دے دیا گیا کہ وہ جسے مناسب سمجھیں نامزد کریں۔ مغربی پاکستان کے سیاستدانوں نے ضمنی انتخابات کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے حتی المقدور کوشش کی مگر کوئی بنگالی ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے تیار نہیں ہوا۔

ضمنی انتخابات میں جن بنگالیوں نے کاغذات نامزدگی داخل بھی کئے وہ مغربی پاکستان کے پلیٹ دانوں کے نامزد کردہ امیدوار تھے اور ان کو عوام کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ اس طرح یہ نامزد امیدوار بلا مقابلہ کامیاب قرار دیئے جانے لگے۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات سرے سے منعقد ہی نہ ہوں کیونکہ اکثر امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو چکے تھے۔ ضمنی انتخابات بنگالیوں کے نزدیک محض ایک ڈھونگ تھا۔ جماعت اسلامی جو ملک گیر جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ دوسری سیاسی جماعتوں کے برعکس مشرقی پاکستان میں منظم تھی اور وہاں کے حالات سے زیادہ واقف تھی اس نے بھی حکومت کے اس اقدام کی مخالفت نہیں کی اور مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی حالانکہ مشرقی پاکستان میں بالکل غیر مقبول جماعت تھی لیکن اس نے بھی مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ بہر حال بلاواسطہ یا بالواسطہ ملک کی جن سیاسی جماعتوں نے ضمنی انتخابات میں حصہ لیا ان کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے درست نہیں تھا۔

۵ اگست ۱۹۷۱ء کو حکومت پاکستان نے "مشرقی پاکستان کے بحران" پر انگریزی زبان میں قرطاس ابیض شائع کیا۔ ۲۰ اگست کو حکومت پاکستان نے اعلان کیا کہ ملک کے ممتاز وکیل مسٹر اے کے بروہی شیخ مجیب الرحمٰن کے وکیل صفائی کی حیثیت سے فرائض انجام دیں گے۔ ۳۱ اگست کو صدر یحییٰ نے ڈاکٹر اے ایم مالک کو مشرقی پاکستان کا گورنر اور لفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خاں نیازی کو "زون بی" کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ ۴ ستمبر کو صدر یحییٰ خان نے ان تمام افراد کو عام معافی دے دی جو یکم مارچ سے ۵ ستمبر کے دوران مشرقی پاکستان کے ہنگاموں میں مختلف جرائم کے مرتکب ہوئے تھے یا جن پر ارتکاب جرم کا الزام تھا عام معافی ان لوگوں کو بھی دے دی گئی جن کا تعلق مسلح افواج، مشرقی پاکستان رائفلز، پولیس مجاہد اور انصار سے تھا۔ عام معافی کے اعلان نے مشرقی پاکستان میں حالات کو معمول پر لانے کے بجائے اسے مزید بگاڑ دیا۔ عام معافی کی سہولت سے فائدہ اٹھا کر بڑی تعداد میں ہندو تخریب کار مشرقی پاکستان کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور ان ہندو تخریب کاروں نے مشرقی پاکستان میں امن و امان اور قانون کو تباہ کر کے رکھ دیا۔



یکم اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب "دی گریٹ ٹریجڈی" شائع کی گئی۔ ۹ اکتوبر سے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ختم کر دی گئی۔ ۱۲ اکتوبر کو صدر یحییٰ نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں عوامی نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی کے جامع منصوبے کا اعلان کیا۔ ملک کا آئین ۲۰ دسمبر کو شائع کر دیا جائے گا اور اس کے ایک ہفتے بعد یعنی ۲۷ دسمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جائے گا۔ مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کے ضمنی انتخابات ۲۳ دسمبر تک مکمل ہو جائیں گے۔ قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس کی صدارت ایوان کے معمر ترین رکن کریں گے جنہیں صدر خود نامزد کریں گے۔ اسمبلی کے پہلے اجلاس میں ممبران حلف اٹھائیں گے اور اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب ہوگا۔ اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے فوراً بعد مرکز میں منتخب حکومت قائم کر دی جائے گی۔ اسمبلی کو ترمیم کا کام ۹۰ دن میں کرنا ہوگا۔ صدر ان ترمیمات کے بارے میں اپنا فیصلہ ۱۰ دن میں دے دیں گے۔ مغربی پاکستان میں صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس خواتین کی نشستوں کے انتخابات اور بعض ضمنی انتخابات مکمل ہونے کے بعد مختصر نوٹس پر بلائے جا سکتے ہیں جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے، چیف الیکشن کمشنر اس صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے پروگرام کا اعلان کر چکے ہیں، انتخابات ۱۸ دسمبر سے ۷ جنوری ۱۹۷۲ء تک کرائے جائیں گے۔

۲۴ اکتوبر کو ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی یورپ کے دورے پر روانہ ہو گئیں اس دورے کا بنیادی مقصد برصغیر کی کشیدگی میں ہندوستان کے لئے سفارتی سطح پر حمایت حاصل کرنا تھا۔ مسز اندرا گاندھی کو اس دورے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ۲۵ اکتوبر کو صدر یحییٰ نے برصغیر میں کشیدگی ختم کرنے کے لئے ایک تین نکاتی فارمولا پیش کیا اور اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اوتھانٹ کے نام ایک جوابی مکتوب میں کہا کہ وہ اس فارمولے پر عملدرآمد کرائیں۔ (۱) پاکستان اور بھارت کی فوجیں سرحدوں سے پیچھے ہٹ جائیں۔ (۲) اوتھانٹ برصغیر کا دورہ کریں (۳) فوجوں کی واپسی کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ کے مبصر تعینات کئے جائیں۔

۵ نومبر کو پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں پاکستان کا اعلیٰ اختیارات کا وفد چین کے دار الحکومت پیکنگ گیا۔ پاکستانی وفد کے سربراہ مسٹر بھٹو

نے پیکنگ پہنچنے کے فوراً بعد چینی وزیر اعظم مسٹر چو این لائی سے مذاکرات کا آغاز کیا۔ پاکستان کے سرکاری وفد میں پاکستانی فضائیہ کے کمانڈر انچیف ایئر مارشل اے رحیم، فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن، بحریہ کے چیف آف اسٹاف ایڈمرل رشید احمد اور وزارتِ خارجہ کے سکریٹری سلطان محمد خان بھی شامل تھے۔ مسٹر بھٹو صدر یحییٰ کے نمائندے کی حیثیت سے وفد کی قیادت کر رہے تھے۔ اس دورے کا بظاہر مقصد چین سے مشرقی پاکستان کے معاملے میں اخلاقی اور فوجی امداد حاصل کرنا تھا لیکن چین نے اس مرتبہ اس روایتی دوستی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی پاکستان توقع کرتا تھا۔ مبصرین نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس موقع پر دونوں حکومتوں کی جانب سے مشترکہ اعلانیہ بھی جاری نہیں کیا گیا۔

۱۳، نومبر کو لاہور میں "پاکستان فرنٹ" کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر مسٹر نور الامین نے کہا کہ جب کبھی بھی مشرقی پاکستان کو اقتدار منتقل کرنے کا موقع آیا کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ اسے اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ مسٹر نور الامین نے مطالبہ کیا کہ "آئندہ وزیر اعظم مشرقی پاکستان سے ہونا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ اگر اس مرتبہ مشرقی پاکستان کے کسی شخص کو اقتدار نہیں سونپا گیا تو پاکستان کبھی بھی متحد نہیں رہ سکے گا۔"[۱]

۱۵، نومبر کو لاہور میں پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر نور الامین کی قیادت میں قومی اسمبلی کی سات پارٹیوں نے متحدہ پارلیمانی پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس متحدہ پارلیمانی پارٹی میں پاکستان جمہوری پارٹی، جماعت اسلامی، پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ، پاکستان کونسل مسلم لیگ، پاکستان کنونشن مسلم لیگ، مرکزی جمعیت علمائے اسلام و نظام اسلام پارٹی اور جمعیت العلمائے پاکستان شامل تھے۔ متحدہ پارلیمانی پارٹی کے قیام کے معاہدہ پر پاکستان جمہوری پارٹی کی طرف سے اس کے سربراہ مسٹر نور الامین نے، جماعت اسلامی کی طرف سے قائم مقام امیر میاں طفیل محمد نے، پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کی طرف سے اس کے سربراہ خان عبد القیوم خان نے پاکستان کونسل مسلم لیگ کی طرف سے اس کے صدر میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے پاکستان کنونشن مسلم لیگ کی طرف سے اس کے جنرل سکریٹری ملک محمد قاسم نے، مرکزی جمعیت علمائے اسلام اور نظام اسلام پارٹی کے سربراہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی طرف سے مسٹر اقبال احمد نے

---

۱۔ جنگ کراچی ۱۵، نومبر ۱۹۷۱ء



اور جمعیت علمائے پاکستان کے لیڈر مولانا شاہ احمد نورانی کی طرف سے صاحبزادہ نذر دیوان نے دستخط کئے۔

۱۸، نومبر کو بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل او تھانٹ کی تجویز مسترد کر دی جس میں انہوں نے پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کم کرانے اور امن برقرار رکھنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی مسز گاندھی نے کہا کہ سکریٹری جنرل کو مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی ختم کرانے کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔

باب ۱۵

# مشرقی پاکستان پر ہندوستان کا حملہ

۲۲ نومبر کو ہندوستان نے کئی مہینے کی مسلسل جھڑپوں کے بعد بغیر اعلان جنگ کے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ۲۳ نومبر کو صدر یحییٰ نے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔ ۲۶ نومبر کو نیشنل عوامی پارٹی کے تمام دھڑوں اور گروپوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ پاکستانی فوج مشرقی پاکستان میں مشکل حالات میں گھر گئی۔ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کی بحری ناکہ بندی کر دی۔ ہندوستان اپنے علاقے پر سے پاکستانی پروازوں پر پہلے ہی پابندی عائد کر چکا تھا۔ پاکستانی ہوائی جہاز کولمبو کے راستے ڈھاکہ پہنچ رہے تھے۔ راستے مسدود ہونے کے باعث مشرقی پاکستان میں فوج کو سامان رسد کی فراہمی بند ہو گئی۔ شیخ مجیب کے حامی ہندوستانی فوجوں کے ساتھ مل کر پاکستانی فوج سے جنگ کر رہے تھے۔ مغربی پاکستانی سیاستدانوں نے مشرقی پاکستان کی جغرافیائی صورت حال کو نظر انداز کر دیا۔ لوگوں کو یہ امید تھی کہ اگر مشرقی پاکستان پر ہندوستان نے حملہ کیا تو مغربی پاکستان سے ہندوستان پر حملہ کر دیا جائے گا لیکن صدر یحییٰ خان نے نہ جانے ایسا کیوں نہیں کیا۔ بعد میں مشرقی پاکستان میں میدان ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بالآخر صدر یحییٰ خان نے ۳ دسمبر کو مغربی پاکستان سے بھارت پر حملہ کر دیا۔ لیکن یہ اقدام تاخیر سے اٹھایا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی پاکستانی فوج کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی اور سوائے دفاع کے وہ کسی بھی علاقے سے پیش قدمی نہ کر سکی بلکہ خود اپنا ہی ۵ ہزار میل کا علاقہ گنوا بیٹھی۔ ہندوستانی فوجوں نے مشرقی پاکستان کے ۲۲ سرحدی مقامات کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ ۴ دسمبر کو بھارتی فوجوں نے زبردست حملے شروع کر دیے سرحدوں پر جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستان نے اپنا زبردست ہوائی حملہ ڈھاکہ کے ہوائی اڈے سے شروع کیا۔ ۶ دسمبر کو ہندوستانی فضائیہ نے ڈھاکہ ہوائی اڈے کے رن وے کو تباہ و برباد کر دیا اور اس طرح مشرقی پاکستان کے آسمان پر بھارتی فضائیہ کا مکمل کنٹرول ہو گیا۔ ہندوستانی فوج کے چیف آف اسٹاف جنرل مانک شاہ نے ۸ دسمبر کے ایک نشریہ میں پاکستانی

فوج سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا اور یہ مطالبہ ۱۱ دسمبر کو دہرایا گیا اس پروپیگنڈہ کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ کے گرد و نواح میں ۱۵ ہزار میل تک ہندوستانی حملوں میں اور شدت پیدا ہوگئی۔

۷ دسمبر کو صدر یحییٰ خان نے متحدہ پارلیمانی پارٹی کے سربراہ مسٹر نورالامین اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو مرکز میں مخلوط حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسٹر نورالامین وزیراعظم اور مسٹر بھٹو نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ مقرر کر دیے گئے۔ صدر یحییٰ نے اپنے بیان میں کہا کہ جنگ اور اس کے نتیجہ میں ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان مواصلات کی جو دشواریاں پیدا ہوئی ہیں ان کے پیش نظر انہوں نے اب مرکز میں حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ یہ حکومت ۲۰ دسمبر کے بعد قائم کی جانے والی تھی۔ مرکزی حکومت کے ممبران دونوں بازوؤں کے منتخب ممبران سے لئے جائیں گے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل میں کئی ایسی قراردادیں پیش کی گئیں جس کے ذریعے مشرقی پاکستان کے بحران کا تصفیہ ممکن تھا لیکن سلامتی کونسل میں ۵ بڑی طاقتوں کو "ویٹو پاور" حاصل ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔ روس نے برصغیر میں امن اور سلامتی کی ہر قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ ۵ دسمبر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں روس نے پاک بھارت جنگ کے سلسلے میں امریکہ سمیت گیارہ ملکوں کی پیش کی ہوئی اُس قرارداد کو ویٹو کر دیا جس میں فریقین سے فوراً جنگ بند کرنے، فوجیں واپس بلانے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور دونوں ملکوں کی سرحدوں پر اقوام متحدہ کے فوجی مبصر تعینات کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ ۶ دسمبر کو روس نے ایک قرارداد پر دوبارہ ویٹو استعمال کیا۔ اس قرارداد میں بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ فوری جنگ بندی کے لئے تمام اقدامات کریں اور ایک دوسرے کے علاقے سے اپنی اپنی مسلح افواج کو اپنی اپنی سرحدوں کے اندر واپس بلالیں۔ ۷ دسمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے حق میں ایک روسی قرارداد ۱۰۴ ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگئی لیکن اس قرارداد کو پاکستان نے منظور نہیں کیا۔ اس قرارداد میں جنگ بندی اور مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ پاکستان کے نامزد نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو بطور خاص سلامتی کونسل میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے ۱۱ دسمبر



کو نیویارک پہنچے۔ ۱۳ دسمبر کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں مسٹر بھٹو نے سلامتی کونسل سے درخواست کی کہ جنرل اسمبلی کے ۱۰۴ ملکوں کی قرارداد کو منظور کر لیا جائے۔ ۱۳ دسمبر کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں امریکہ نے باضابطہ طور پر ایک قرارداد پیش کی جس میں بھارت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کی قرارداد فوراً منظور کرے۔ روس نے جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کی امریکی قرارداد کے خلاف ویٹو استعمال کیا۔ برصغیر میں جنگ بندی کی قراردادوں کے سلسلے میں روس نے یہ تیسری مرتبہ ویٹو استعمال کیا۔

۹ دسمبر کو مشرقی پاکستان کے گورنر اے۔ ایم۔ مالک نے صدر یحییٰ خاں سے کچھ تجاویز کی منظوری مانگی۔ صدر نے تمام فیصلے حالات کے مطابق کرنے کے لئے گورنر کی صوابدید پر چھوڑ دیے۔ گورنر کو یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ صدر کی طرف سے جنرل نیازی کو احکام بھیج دیے جائیں گے کہ وہ گورنر کی ہدایات پر عمل کریں۔ اس یقین دہانی کے موصول ہونے پر گورنر نے ۱۰ دسمبر کو ان تجاویز پر مشتمل ایک مسودہ صدر کی منظوری کے لئے بھیجا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ کیونکہ مشرقی پاکستان میں تصادم سیاسی وجوہ کی بناء پر پیدا ہوا تھا لہٰذا اس کو سیاسی طور پر حل کرنا مناسب ہے۔ گورنر نے صدر کے اختیارات کے تحت مشرقی پاکستان کے منتخب نمائندوں کو دعوت بھی دی کہ وہ ڈھاکہ میں صوبائی حکومت کی تشکیل کریں۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی متفقہ خواہش یہ ہوگی کہ صوبے کے تمام علاقوں سے ہندوستانی فوجوں کا فوری طور پر انخلاء عمل میں لایا جائے۔ گورنر نے اقوام متحدہ سے بھی اپیل کی کہ وہ مشرقی پاکستان میں فی الفور جنگ بندی کرائے اور پرامن انتقال اقتدار کا بندوبست کرے۔ پاکستان کی مسلح افواج کو باعزت طور پر مغربی پاکستان منتقل کیا جائے۔

صدر یحییٰ خان نے گورنر کے اس مسودہ کی منظوری نہیں دی۔ صدر کے خیال میں یہ تجاویز اپنی ابتدائی تجاویز سے تجاوز کر گئی تھیں اور وہ یہ سمجھے کہ گورنر نے حکومت پاکستان کی جانب سے سیاسی حل اور افواج کی واپسی کی تجویز پیش کی ہے۔ اور فی الواقع اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرقی پاکستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ صدر نے گورنر کو یہ ہدایت کی کہ وہ از سر نو اس مسودہ کو تیار کریں جس میں کسی سیاسی حل کا ذکر نہ ہو گورنر نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مسودہ کی

منظوری تو حسب وعدہ صدر مملکت دے ہی دیں گے اس کی ایک نقل اپنے مشیر جنرل فرمان علی کو دے دی جنہوں نے ایسے ہی مفروضے کے تحت مسودہ کی نقل بعد ازاں جناب پال مارک ہنری کو بھیج دی جو اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کے نمائندے کی حیثیت سے ڈھاکہ میں مقیم تھے۔ اور جنہوں نے اس نقل کو فوراً ہی نیویارک میں اقوام متحدہ کے سکریٹریٹ کو روانہ کر دیا۔ جب یہ سکریٹری جنرل کو ملا تو جنگ سے پیدا شدہ مشرقی پاکستان کی سنگین صورت حال کے پیش نظر انہوں نے اس دستاویز کو اہم قرار دیتے ہوئے فوراً سلامتی کونسل کے صدر کو بھیج دیا۔ اس وقت نیویارک میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے گورنر کے فوجی مشیر میجر جنرل راؤ فرمان علی نے امریکہ روس، برطانیہ اور فرانس کے ڈھاکہ میں موجود نمائندوں سے درخواست کی تھی کہ وہ ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کا کنٹرول سنبھال لیں اور یہ بھی یقین کیا جاتا تھا کہ جنرل فرمان علی نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ نیویارک میں موجود چین کے وفد کو بھی اس سے مطلع کر دیا جائے۔ جنرل فرمان علی کی اس پیش کش نے سلامتی کونسل میں پاکستان کے موقف کو انتہائی کمزور بنا دیا۔ اس سے دنیا پر یہ واضح ہو گیا کہ پاکستان جنگی کارروائیوں کو زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکے گا صدر یحییٰ خاں کو جب ڈھاکہ میں غلط فہمی کی بنا پر ہونے والے واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً جنرل فرمان علی کی پیش کش کو منسوخ کر دیا اور اپنی انہی تجاویز پر قائم رہنے پر زور دیا جو وہ اس سے پہلے گورنر کو بھیج چکے تھے۔

مشرقی پاکستان میں حالات خراب صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ہندوستان کی فوج شمال، شمال مشرق، مشرق اور جنوب مشرق چار سمتوں سے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈھاکہ میں ہندوستانی چھاتہ بردار فوج نے پاکستانی فوج کے لئے مزید مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ ہندوستانی فضائیہ نے اپنے حملے تیز کر دیے تھے۔ ڈھاکہ چھاؤنی میں جنرل نیازی کے ہیڈکوارٹر پر وزنی بم گرائے جا رہے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی پروپیگنڈہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ہندوستانی طیارے ڈھاکہ پر آسمان سے پمفلٹ گرا رہے تھے جس میں پاکستانی فوج سے ہتھیار ڈالنے کی اپیل کی جا رہی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۳ر دسمبر کو ایسٹرن کمانڈ نے جی ایچ کیو کو ایک پریشان کن پیغام بھیجا جس کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے تاہم اس کے جواب میں فوج کے چیف آف اسٹاف نے



یہ جواب ارسال کیا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ جنگ بندی کا حکم دے دے اور ابھی یہ چند گھنٹوں کی بات ہے۔ ہندوستان اس سر توڑ کوشش میں مصروف ہے کہ وہ جنگ بندی کی قرارداد منظور ہونے سے پہلے ڈھاکہ پر جلد از جلد قبضہ کر لے اور وہاں بنگلہ دیشی حکومت قائم کر دے۔ چیف آف اسٹاف نے جنرل نیازی کو اس وقت تک جمے رہنے کی اشد ضرورت پر زور دیا جب تک اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی قرارداد منظور نہ ہو جائے لیکن جنرل نیازی اب کسی بھی وعظ و نصیحت سے بے نیاز ہو چکے تھے۔

۱۴ر دسمبر کی صبح کو ڈھاکہ اور اس کے نواح میں شدید ہوائی حملوں کے درمیان گورنر نے صدر کو ایک پیغام بھیجا جس میں انہوں نے پاکستان کی طرف سے کسی فوجی کارروائی کو مزید جاری رکھنا ایک لاحاصل اور بے معنی کوشش قرار دیا۔ اسی روز دوپہر کے وقت ہندوستانی فضائیہ کے طیاروں نے ڈھاکہ میں مشرقی پاکستان کے گورنر ہاؤس پر بمباری کی جب گورنر ایک میٹنگ میں مصروف تھے اس ہوائی حملے سے گورنر ہاؤس اور بڑا ہال تباہ ہو گیا مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اس ہوائی حملے سے خوف زدہ ہو کر گورنر اے ایم مالک نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فضائی حملوں کے درمیان رک رک کر اپنا استعفیٰ یحییٰ خان کے نام لکھا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے آخری گورنر اپنی آخری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ استعفیٰ دینے کے بعد اے ایم مالک انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں ریڈ کراس کی پناہ میں چلے گئے۔ گورنر مالک کے مستعفی ہونے کے بعد فوجی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حکومت کی ذمہ داریاں بھی جنرل نیازی کو سنبھالنی پڑیں ایک بجکر ۲۳ منٹ پر صدر یحییٰ خان نے گورنر اور جنرل نیازی کو ایک کھلے سگنل کے ذریعے ایک پیغام بھیجا جس میں گورنر کے آخری پیغام کا حوالہ دے کر کہا "آپ نے انتہائی ناموافق حالات میں جنگ لڑی ہے قوم آپ پر فخر کرتی ہے اور دنیا تحسین کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے جو بھی امکانی صورت تھی اس کے لئے میں نے حتی المقدور کوشش کی۔ آپ اب ایسے مقام پر آ پہنچے ہیں جہاں مزید جد و جہد جاری رکھنا انسانی دسترس سے باہر ہو گیا ہے اور نہ ہی ایسی جد و جہد سود مند ثابت ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ مزید جانیں ضائع ہو جائیں اور زیادہ تباہی کو دعوت دی جائے۔ اب آپ کو لڑائی بند کرانے کے سلسلے میں ہر ضروری اقدام کرنا چاہئے

تاکہ فوجیوں کی زندگیوں کو تلف ہونے سے بچایا جا سکے اور ان تمام مغربی پاکستانی اور محب وطن افراد کی جان و مال کی حفاظت ممکن ہو جو مشرقی پاکستان میں موجود ہیں۔ اسی اثنا میں میں نے اقوام متحدہ سے درخواست کی ہے کہ وہ ہندوستان کو مشرقی پاکستان میں فوراً جنگ بند کرنے کی تاکید کرے اور تمام باقاعدہ اور بے قاعدہ افواج اور دیگر افراد کی حفاظت کی جائے جو شرپسند عناصر کے ظلم و ستم کا نشانہ بن سکتے ہیں۔" جنرل نیازی فوراً ڈھاکہ میں مقیم امریکی کونسل جنرل سے ملے اور ایک نوٹ ان کے حوالے کیا جس میں ان سے فوراً جنگ بند کروانے کی درخواست کی گئی تھی۔ جنگ بندی کے اس پیغام کی فوراً ہی دنیا میں نشر و اشاعت ہو گئی۔ جنرل نیازی نے اس کی نقل ۱۵ دسمبر کو صدر پاکستان کو بھی بھیج دی ہندوستانی جنہوں نے یہ پیغام پکڑ لیا تھا انتہائی خوش تھے انہوں نے اس فتح کی خوشی میں اپنے ہوائی حملوں میں اور شدت پیدا کر دی تاکہ جنرل نیازی یا کوئی اور مقتدر شخصیت اپنا ارادہ نہ بدل سکے۔ پانچ پانچ سو پونڈ وزنی آٹھ بم ڈھاکہ چھاؤنی میں جنرل نیازی کی کمان چوکی پر گرائے گئے۔ ۱۵ دسمبر کو رات گئے فوج کے چیف آف اسٹاف نے جنرل نیازی کو ایک سگنل بھیجا جس میں انہوں نے ان کے جنگ بندی کے صدر کو بھیجے ہوئے پیغام اور بھارتی چیف آف اسٹاف کا اس کے جواب میں نشریہ کا حوالہ دیا گیا اور مشورہ دیا کہ آپ بھارتی چیف آف اسٹاف کی شرائط قبول کر سکتے ہیں۔ کمانڈر ایسٹرن کمانڈ نے ہتھیار ڈالنے کی گفت و شنید اپنی ذات تک محدود رکھی۔ مختلف محاذوں پر پھیلی ہوئی تمام افواج اور یہاں تک کہ ان کے اپنے ہیڈ کوارٹر کے بہت سے افسروں کو بھی کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ کمانڈر ایسٹرن کمانڈ اور صدر کے درمیان کن پیغامات کا تبادلہ ہوا اور جنگ بندی کے لئے وہ کیا اقدامات کر رہے ہیں!! ابھی تک فوجیوں کے حوصلے بھی بلند تھے اور وہ ڈھاکہ کو بچانے کی خاطر لڑنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ کرنل لودھی جو جی ایس او۔۱ آپریشنز تھے ہر ایک کو مشورہ دے رہے تھے کہ سب لوگ دشمن سے آخری سانس تک لڑائی جاری رکھیں اور اس کی اطاعت قبول کرنے پر موت کو ترجیح دیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دلیرانہ اقدام آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ بن جائے گا وہاں موجود رضاکار ڈھاکہ کے دفاع کے لئے اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ ڈھاکہ ہی ایک ایسی جگہ تھی جو جنگ کے آغاز سے لے کر اب تک پر امن رہی تھی۔ جوانوں کے حوصلے بلند تھے اور وہ



بڑے پرعزم اور مطمئن نظر آ رہے تھے جب ۱۵ دسمبر کی رات کو ۸ بجے بی بی سی سے یہ خبر نشر ہوئی کہ جنرل نیازی کی درخواست پر ہندوستان، پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کے بارے میں بات چیت کے لئے ۵ بجے شام سے اگلے روز صبح ۹ بجے تک جنگ بند کرنے کے لئے رضامند ہو گیا ہے تو ایسٹرن کمانڈ ہیڈ کوارٹر میں ہلچل مچ گئی اور افسر و جوان حیران و پریشان ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کیونکہ ان میں کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہتھیار ڈالنے کی بات چیت ہو رہی ہے۔

دوسری طرف ۱۵ دسمبر کو پاکستان کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سلامتی کونسل میں پاک بھارت جنگ کے مسئلہ پر بحث کے دوران اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے اور سلامتی کونسل کے کاغذات پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیئے۔ مسٹر بھٹو نے واک آؤٹ کرنے سے پہلے اپنی تقریر میں کہا "میں نے سلامتی کونسل کے ارکان کو مشرقی پاکستان کے محصور دارالحکومت ڈھاکہ میں دست بدست لڑائی کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ آج صبح کوئی اقدام کریں۔ ڈھاکہ میں ہزاروں افراد کا قتل ہو رہا ہے لیکن سلامتی کونسل اس بحث میں پڑی ہوئی ہے کہ اجلاس دو گھنٹے کے لئے ملتوی کیا جائے یا تین گھنٹے کے لئے۔" بھٹو نے کہا کہ میں بھارت کے سامنے شکست ماننے کو تیار نہیں میں نے اپنے ملک کے احساسات سے آگاہ کر دیا ہے مجھے خلا میں ہاتھ مارنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ ہمیں زمین پر ناک رگڑنے کے لئے کہا جا رہا ہے میں پاکستان واپس چلا جاؤں گا میں عوام کا نمائندہ ہوں۔ بھٹو نے روس اور بھارت پر سخت الزامات عائد کئے اور کہا کہ یہ ان کی چالاکی ہے وہ ڈھاکہ پر قبضہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کارروائیوں میں فریق نہیں بن سکتا۔ سلامتی کونسل میں آپ خواہ کوئی فیصلہ مسلط کریں آپ کو اختیار ہے آپ مشرقی پاکستان پر غیر قانونی قبضہ کو قانونی شکل دے سکتے ہیں لیکن میں ان کارروائیوں میں آپ کا شریک نہیں بن سکتا۔ بھٹو نے اپنی تقریر کے دوران امریکہ اور چین کے رویہ کی تعریف کی۔[۱]

مسٹر بھٹو سفارتی سطح پر جانی پہچانی شخصیت تھے۔ پاکستانی بلاشبہ مسٹر بھٹو سے توقع کر سکتے تھے کہ وہ سلامتی کونسل میں پاکستان کے مفاد کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے لیکن ایک تو بھٹو تاخیر سے سلامتی کونسل میں پہنچے اور سلامتی کونسل میں پہنچنے کے بعد انہوں نے جو جذباتی رویہ اختیار کیا

---

۱۔ جنگ کراچی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء

وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ ڈھاکہ ختم ہو رہا تھا۔ دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ سیاسی تصفیہ پر مبنی قرارداد ہی کو منظور کر لیا جاتا۔ یہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے مقابلے میں بہت کم نقصان تھا اگر بھٹو ایسا کر لیتے تو مشرقی پاکستان بچ جاتا لیکن بھٹو ایسا کوئی مثبت قدم اٹھانے کے بجائے سلامتی کونسل میں جذباتی تقریر کر کے واک آؤٹ کر گئے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان کے محاذ پر انہوں نے جنگ جاری رکھنے کو لاحاصل قرار دیا۔

۱۵ دسمبر کو پاکستانی اخبارات نے یہ خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیں۔ "چینی فوجیں حرکت میں آگئیں"۔ "۳ چینی جہاز خلیج بنگال کے لئے روانہ ہو گئے"۔ "چین کی مداخلت اور امریکی بیڑے کی پیش قدمی کے امکان پر بھارت میں سراسیمگی"۔ "امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ خلیج بنگال کی طرف روانہ ہو گیا، بیڑہ ایٹمی ہتھیاروں سے لیس، طیاروں اور جہازوں پر مشتمل ہے"۔

مذکورہ بالا خبروں کی اشاعت کا مقصد مغربی پاکستانیوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کرنا تھا کہ امریکہ اور چین مشرقی پاکستان میں مدد کو آ رہے ہیں لیکن نہ چین مدد کو آیا اور نہ امریکہ۔ ایسے وقت میں جب کہ پاکستان اپنی تاریخ کے نازک لمحات سے گزر رہا تھا، نشر و اشاعت کے ادارے غیر ذمہ دارانہ خبریں شائع کر رہے تھے۔ بی بی سی نے سقوطِ ڈھاکہ کی خبر ۲ روز پہلے نشر کر دی تھی لیکن مغربی پاکستان کے لوگوں نے اس خبر پر بالکل یقین نہیں کیا۔ صدر یحییٰ کی ۱۶ مارچ کی نشری تقریر نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔

۱۶ دسمبر کو صدر جنرل اے ایم یحییٰ خاں نے مغربی پاکستان کے وقت کے مطابق شام کو سوا سات بجے اور مشرقی پاکستان کے وقت کے مطابق رات سوا آٹھ بجے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ

"پاکستان مکمل فتح تک جنگ جاری رکھے گا۔ کسی ایک محاذ پر وقتی طور پر پیچھے ہٹنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ پاکستانی فوج اور عوام دشمن کو اپنے علاقہ سے نکالے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ یہ جنگ ایسی ہے جو صرف محاذوں پر ہی نہیں بلکہ کھیتوں کارخانوں اور گھروں میں لڑی جائے گی"۔[۱]

صدر یحییٰ کی تقریر کے فوراً بعد ہندوستانی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے مغربی پاکستان

---

۱۔ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء



پر جنگ بندی کی پیش کش کی جسے صدر یحییٰ نے بغیر کسی پس و پیش کے قبول کر لیا اور ۱۷ دسمبر کو مغربی پاکستان پر جنگ بند ہو گئی۔ جنگ بندی کی خبر سن کر لوگ برہم ہو گئے اور انہوں نے صدر یحییٰ سے دست بردار ہونے کا پُر زور مطالبہ کر دیا۔ ۱۷ دسمبر سے ۲۰ دسمبر تک یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ملک کا حقیقی حکمران کون ہے۔ ۲۰ دسمبر کو ذوالفقار علی بھٹو کے صدر بن جانے کے بعد تمام شبہات دُور ہو گئے۔

باب ۱۶

# سقوط ڈھاکہ

۱۶ دسمبر کو ۳ بجے صبح جنرل نیازی نے جنگ بندی کے سلسلے میں افواج کو ہتھیار ڈالنے کی تیاری کے احکام تمام متعلقہ کمانڈروں کو بھیج دیے۔ اس پیغام کے شروع میں انہوں نے اپنی افواج کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد یہ کہا کہ اب ہم ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں یہاں مزید مزاحمت انسانی دسترس سے باہر ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں جنگ جاری رکھنا گویا انسانی جانوں کو تلف کرنے اور تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ اپنے پیغام میں جنرل نیازی نے یہ امید بھی ظاہر کی تھی کہ ہتھیار نظم و ضبط کے ساتھ دشمن کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ ہتھیار ڈالنے کے اس تکلیف دہ پیغام سے فوجی افسر و جوان بہت برہم ہو گئے اور انہوں نے اسے اپنی بے عزتی اور توہین سمجھا۔ ہتھیار ڈالنے کا پیغام جاری کرتے ہی جنرل نیازی اپنی کمانڈ چوکی پر چلے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے امریکہ کے فوجی اتاشی کے توسط سے انہوں نے ہندوستان کے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کیا۔ یہ وہی جنرل نیازی تھے جنہوں نے تین روز پیشتر غیر ملکی نامہ نگاروں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ

"ڈھاکہ پر دشمن کا قبضہ میری موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ دشمن کو قبضہ سے پہلے میرے جسم پر سے ٹینک گزارنا ہوگا۔ ہماری فوج باوقار طریقہ سے زندہ رہے گی یا مقصد کی خاطر کٹ مرے گی۔"[1]

اسی دوپہر کو ہندوستانی فوج کی جیپ گاڑیاں ڈھاکہ میں داخل ہونا شروع ہو گئیں مشرقی پاکستان کو دشمن کے آگے سرنگوں کر دیا گیا اس موقع پر ایسٹرن کمان کے ایک اعلیٰ اسٹاف افسر نے کہا "اگر اپنے تمام وسائل کو صحیح طور پر بروئے کار لایا جاتا اور وہاں کی زمینی بناوٹ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاتا تو ان نازک حالات میں بھی ڈھاکہ کا دفاع چھ سے آٹھ ہفتے تک اور کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال اس ناگہانی تباہی کو کمانڈر کی نااہلی اور اس کی بے استقلالی سے

---

۱۔ جنگ کراچی ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

منسوب کیا جا سکتا ہے۔"[۱]

اس طرح ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ ۹۰ ہزار پاکستانی فوجی ہندوستان کے جنگی قیدی بن گئے۔ ڈھاکہ کے مشہور ریس کورس میدان میں ہتھیار ڈالنے کی تقریب منعقد ہوئی۔ ہندوستانی جنرل اروڑا ہیلی کاپٹر میں ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر اترے۔ جنرل نیازی نے ائیر پورٹ پر ان کا خیر مقدم کیا۔ ائیر پورٹ سے یہ سب ریس کورس کی طرف روانہ ہوئے۔ ریس کورس کے میدان میں انسانوں کا ایک جم غفیر تھا جو ہتھیار ڈالنے کی رسمی کارروائی کو دیکھنے کیلئے جمع ہوئے تھے فضا میں بنگالیوں کے ہتک آمیز قہقہے بلند ہو رہے تھے لیکن اس جم غفیر میں کچھ چہرے ایسے بھی تھے جن کی آنکھیں اس منظر سے اشکبار تھیں۔ کارروائی کا آغاز ہوا جنرل نیازی نے نہایت اطمینان سے جنرل اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے معاہدے پر دستخط کئے اپنے شانے پر سے اسٹار نوچے، اپنا ریوالور اور بیٹی جنرل اروڑا کے حوالے کئے اور ڈائس سے نیچے اتر کر اپنی کار کی طرف چلے۔ اتنے میں کوئی شخص ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے زور سے جنرل نیازی کے سر پر جوتا دے مارا۔ ڈھاکہ میں موجود فوجیوں کے ہتھیار رکھوائے جا رہے تھے ان کے شانوں پر سے ان کے عہدوں کے نشانات نوچ نوچ کر ہٹائے جا رہے تھے۔ ہندوستانی فوجی اور مکتی باہنی کے چھاپہ مار ان کو ذلیل و خوار کرتے تھے۔ مارنے کے لئے جھپٹتے تھے۔ ہر طرف بنگالی بھیڑیوں کی طرح غیر بنگالیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ صرف بچاؤ بچاؤ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر گھر میں موت ہو گئی ہے۔ پاکستانی فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ ایک ہنگامہ حشر کا سا برپا تھا۔

---

۱۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ ۱۹۷۱ء۔ آرمی ایجوکیشن پریس۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۰۹ راولپنڈی۔ صفحہ نمبر ۲۰۳۔



باب ۱۱

# بنگلہ دیش کا قیام

پاکستانی فوجوں کے ہتھیار ڈالنے کے بعد ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں میں امن و امان کی صورت حال خراب ہو گئی۔ ڈھاکہ شہر کے ان چند علاقوں کے سوا جہاں بھارت کی قابض فوج موجود تھی شہر کے کسی حصہ پر کسی کی حکومت نظر نہیں آتی تھی۔ شہر کی نالیوں میں جا بجا لاشیں پڑی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ڈھاکہ میں ۴ نوجوانوں کو غیر ملکی نامہ نگاروں کے سامنے سنگینیں گھونپ کر ہلاک کر دیا گیا۔ چاٹگام میں ہندوستانی قبضہ کے بعد دس روز تک قتل کا بازار گرم رہا۔ مشرقی پاکستان پر ہندوستانی قبضہ کے بعد ۵ لاکھ افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ بھارتی فوجیوں، مکتی باہنی اور دوسرے گوریلا گردپوں نے ان لاکھوں بے گناہ لوگوں کو ہلاک کیا۔ ہندوستانی فوج نے مکتی باہنی کو اس قتل عام کی کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ جن لوگوں کو چن چن کر قتل کیا گیا ان میں پاکستان کے حامی رضاکاروں البدر فورس کے اراکین، سرکاری حکام، اسلام کے شیدائی غیر بنگالی اور جماعت اسلامی کے بنگالی اراکین، مسلم لیگ اور پی ڈی پی کا رکن شامل تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے پہلے سات دنوں کے اندر مشرقی پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں بے گناہوں کے خون سے زبردست ہولی کھیلی گئی۔ ہندوستانی فوجیوں نے اس قتل عام کی پوری پوری پشت پناہی کی خاندان کے خاندان قتل کر دیے گئے اور انہیں قتل کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو کسی ایک جگہ اکٹھا کر کے ان پر پیٹرول چھڑک کر نذر آتش کر دیا گیا۔ بے شمار نعشیں یا تو کنوؤں میں پھینک دی گئیں یا دریاؤں میں بہا دی گئیں۔ ہندوستانی فوجی مسلمانوں کے اس زبردست قتل عام کی اس لئے بھی پشت پناہی کر رہے تھے تاکہ ان سے خالی ہونے والے گھروں اور تجارتوں میں مغربی بنگال اور آسام کے ہندوؤں کو بٹھایا جا سکے۔ ڈھاکہ میں متعینہ ہندوستانی فوجی نہایت بے شرمی کے ساتھ مسلمان لڑکیوں کی آبرو لوٹ رہے تھے رات گئے لڑکیوں کو

اٹھا کر لے جاتے اور ان کی عصمت دری کرتے۔ آبروریزی کی ان وارداتوں میں سے ایک ایسا دردناک واقعہ بھی ہے جس میں ایک لڑکی کو اغوا کر کے نصف درجن افراد نے اس کی عصمت دری کی۔ یہ لڑکیاں وہ تھیں جن کے اپنے یا بھائیوں پر مکتی باہنی اور بھارتی فوجیوں کو یہ شبہ تھا کہ وہ پاکستان کے حامی رہے ہیں لندن میں رہنے والے ایک بنگالی کو معلوم ہوا کہ اس کی ۲۳ سالہ تعلیم یافتہ بہن کو دھان منڈی کے مکان سے اغوا کیا گیا اور دو ہندوستانی سپاہیوں نے شراب کے نشہ میں دھت ہو کر اس پر دست درازی کی۔ ڈھاکہ میں ایسی نوجوان لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد جن کے کنبوں کے تمام مرد افراد مکتی باہنی کے مسلح غنڈوں نے موت کے گھاٹ اتار دیے تھے بھارتی بردہ فروشوں کے لئے منافع بخش جنس بن گئی تھیں اور کلکتہ کے مجبتہ فروش انہیں خرید کر ہندوستان کے دوسرے حصوں کو بھیج رہے تھے۔ ڈھاکے کے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں بھی معصوم بنگالی لڑکیوں کے ساتھ ہندوستانی فوجیوں کی دست درازی کا سلسلہ جاری تھا ہندوستانی فوجی اور مکتی باہنی کے غنڈے غیر بنگالیوں اور ان بنگالیوں کے جنہوں نے پچھلے دنوں حکومت پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔ گھروں میں گھس کر لوٹ مار کر رہے تھے اور ان گھروں سے زیورات، قیمتی مال و اسباب اور جو بھی ان کے ہاتھ لگتا لوٹتی تھی یہاں تک کہ مکتی باہنی اور ہندوستانی فوجیوں نے بچیوں کے کانوں سے بندے اور بالیاں تک نوچنے سے دریغ نہیں کیا۔ ۲۰ دسمبر۔ یعنی سقوط مشرقی پاکستان کے چار دن بعد ڈھاکہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس کے نمائندوں نے لکھا ہے۔ "ہمارے سامنے چار قیدی تھے، چاروں جوان تھے ان سب کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور پھر چاروں کو ایک جگہ کھڑا کر کے بھی باندھا گیا تھا۔ وہ چاروں زمین پر بے دست و پا پڑے تھے۔ چاروں طرف اچھا خاصا مجمع اکٹھا تھا لہٰذا گوریلوں کے لیڈر کرنل عبدالقادر صدیقی نے تقریر کی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ بڑی ایمانداری کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور صرف "بدلہ" نہیں لیا جائے گا۔ انہوں نے مجمع سے اپیل کی کہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر تماشہ دیکھیں اور اب قیدیوں کے ساتھ انصاف شروع ہوا پہلے انہیں خوب زدوکوب کیا گیا پھر جسم کے مختلف حصوں پر سنگین مارنے کا کام شروع ہوا۔ مقصد یہ تھا



کہ ایک ہی وار میں کام تمام نہ ہو جائے۔ یہ احکام کرنل صدیقی کے تھے جو ڈھاکہ میں تعینات مکتی باہنی کے مقامی کمانڈر ہیں۔ اس واقعے کا اہم ترین منظر یہ تھا کہ مجمع سے ایک بچہ روتا ہوا نکلا۔ شاید وہ قیدیوں میں سے کسی کا رشتہ دار تھا وہ دوڑتا ہوا آگے آیا اور ایک قیدی کی لاش سے لپٹ گیا۔ مکتی باہنی کے سپاہیوں نے اسے بھی خوب پیٹا اور لاتیں ماریں اس کے بعد اس معصوم کو مجمع کے سپرد کر دیا گیا۔ معلوم نہیں اس کا کیا حشر ہوا۔"

"ڈیلی ایکسپریس" کا فوٹو گرافر ولیم لویس اس واقعے کا چشم دید گواہ ہے۔ اس کا بیان ہے "شروع شروع میں مجھے ایسا لگا تھا گویا یہ کوئی جلسۂ عام کے قسم کی چیز ہے اس وقت تک میں نے چاروں قیدیوں کو دیکھا نہیں تھا۔ وہ چاروں رسیوں میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ ان چاروں سے مجمع کے سامنے پریڈ کرائی جائے گی۔ مکتی باہنی کا ایک خاص دستہ "فادر گارڈس" وہاں موجود تھا۔ انہوں نے قیمتی یونیفارم پہن رکھی تھی اور ان کے ہاتھوں میں نئے خودکار اسلحہ تھے۔ یہ لوگ قیدیوں کو بُری طرح مار رہے تھے زیادہ تر لاتیں ماری جا رہی تھیں کبھی رائفل کا کندہ رسید کر دیا جاتا۔ کبھی گھٹنے سے دبا کر انہیں خوب رگیدا جاتا۔ کرنل صدیقی کی تقریر کے دوران ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا رہا۔ جب ان کی لمبی تقریر ختم ہوئی تو مجمع نے دعائیں مانگیں۔ میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ ان دعاؤں کا مقصد کیا تھا۔ میری یہ ہمت بھی نہیں ہوئی کہ لوگوں سے اس سلسلے میں کوئی استفسار کرتا لیکن میں نے یہ ضرور دیکھا کہ قیدی بھی دعا کرنے والوں میں شریک تھے۔ وہ ہاتھ سامنے نہیں لا سکتے تھے لیکن ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی کوشش کر رہے ہیں۔ دعا کے وقت چند لمحوں کے لئے گارڈس نے بھی اپنی حرکتیں چھوڑ دی تھیں اور ان کے ہاتھ بھی قادرِ مطلق کے سامنے دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے دعا کے خاتمے کے بعد مجمع قیدیوں کے چاروں طرف بہت قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ گارڈس نے انہیں پیچھے دھکیل کر درمیان کافی جگہ بنائی تاکہ دائرہ بڑا بنے اور تماشہ سب لوگ اچھی طرح سے دیکھ لیں۔ اس کے بعد قیدیوں کو زدوکوب کرنے کا کام شروع ہوا۔ اس وقت مجمع تالیاں بجا بجا کر خیر مقدم کر رہا تھا اور "مزید" کے لئے نعرے لگا رہا تھا۔ کبھی کبھی

قیدی کے کوئی اچھا ہاتھ پڑتا، یا کوئی زوردار لات لگتی تو داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوتیں۔ اس کے بعد ان کے سر کے بال پکڑ کر انھیں جھٹکے دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی انھیں گھسیٹا جاتا۔ کبھی طمانچے مارے جاتے اور کبھی جلتے ہوئے سگریٹ سے چہرے اور سینے پر داغ لگائے جاتے۔ دو قیدیوں کی حالت بہت خراب تھی جب ان پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تو گارڈس نے انھیں چھوڑ دینا چاہا۔ لیکن ہجوم کے سخت اصرار پر وہ بے ہوش قیدیوں کو بھی سزا دیتے رہے اور یہ سزا کیا تھی؟ خدا کی پناہ! ان کے سینے میں فوجی بوٹوں سے ٹھوکریں لگائی جا رہی تھیں جب وہ چاروں بے ہوش ہو گئے تو کرنل صاحب ان کے قریب پہنچے اور فاتحانہ انداز میں اپنی چھڑی لہرا کر ان کے لئے سزائے موت کا اعلان کیا۔ ان کی آواز اس قدر پرجوش اور اونچی تھی کہ دُور دُور تک سُنی جا سکتی تھی۔ سزائے موت کے لئے پہلے ان میں سے دو کو منتخب کیا گیا۔ گارڈز نے انہیں سنگینیں مار مار کر تڑپا تڑپا کر مارا۔ چند منٹ کرنل صدیقی یہ سب دیکھتے رہے اور جب نہ رہا گیا تو سنگین لے کر خود پل پڑے اس پر بھی ان کا جنون سرد نہ ہوا تو رائفل لے کر ان پر گولیاں برسانے لگے۔ دونوں قیدیوں کے جسم اور خاص طور پر سینے میں کئی کئی گولیاں مارنے کے بعد وہ اپنی نئی شاندار کار کی طرف چلے گئے اور گارڈز دوسرے قیدیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان سے فراغت پانے کے بعد انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنے رومال نکالے، سنگینیں صاف کیں اور چلے گئے۔ لیکن یہ ڈرامہ یہاں ختم نہیں ہو گیا ابھی ہجوم کو اپنی مسرتیں پوری کرنی تھیں۔ قیدیوں کے جسموں میں ابھی لرزش باقی تھی لہٰذا ان کے لئے بھی کچھ نہ کچھ باقی تھا۔ ان میں سے ہر ایک فرد نے سمجھ لیا تھا کہ جاتے جاتے مرنے والوں کے ایک لات مارنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ فرض ہے تو ان سب نے یہ فرض نبھایا اور قیدیوں کو ایک پاکستان کے لئے سوچنے کی سزا دی۔ سب سے زیادہ کمال اور ظلم کی بات یہ ہے کہ مجھ سے (ولیم ووس) مکتی باہنی کا کوئی لیڈر یہ بیان نہیں کر سکا کہ ان چاروں کے خلاف اصل الزامات کیا تھے۔ ایک نے کہا کہ "یہ رضاکار ہیں اور بنگلہ دیش کے بے شمار افراد کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔" ایک اخباری رپورٹر اسٹیفن ہارپر نے لکھا ہے کہ "ان سب پر ایک ہی الزام تھا یعنی یہ کہ انہوں نے مغربی پاکستان کا ساتھ دیا ہے ان سب کو یہ



موقع دیا گیا کہ وہ چاہیں تو بھاگ کر جان بچا لیں لیکن اسٹارٹ چھوٹا سا دیا گیا اور بوڑھے بھلا کہاں بھاگ سکتے ہیں لہٰذا وہ سب پکڑے گئے اور اس طور پر مارے گئے کہ اس کا بیان ممکن ہی نہیں۔ کچھ کے خنجروں سے کچوکے لگائے گئے، کچھ کے ایسی جگہ گولی ماری گئی جہاں سے آہستہ آہستہ خون بہے اور بہتا رہے اور کچھ کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس سب کے باوجود کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے کسی طرح ہار نہیں مانی وہ آخری دم تک لڑتے رہے خود ڈھاکہ کے بعض علاقوں میں سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں لڑتی رہیں۔ بھارتی فوج اور مشرقی کمانڈ کے کمانڈر جنرل جیک جیکب (یہودی) کے لئے سب سے بڑا دردِ سر یہ تھا کہ مکتی باہنی کے لوگ کسی طور پر قابو میں نہیں آئے تھے وہ ہدایات اور مشوروں کی ذرا سی پرواہ کئے بغیر بڑے پیمانے پر تاریخ کے انتہائی اذیت ناک قتلِ عام میں مصروف تھے اور بھارتی کمانڈر ان کے سامنے بالکل بے بس تھے جنرل جیکب نے جب ان میں سے کچھ کو سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے صاف کہہ دیا "ہم کچھ نہیں کر سکتے، لوگ بالکل آپے سے باہر ہیں۔" مکتی باہنی کے خاص شکار رضاکار تھے جنہیں وہ مغربی پاکستان کے مددگار، چور، زناکار اور قاتل قرار دیتے تھے۔

پاکستان کے ۹۰ ہزار فوجی مشرقی پاکستان میں ہندوستان کے جنگی قیدی بن گئے تھے۔ ڈھاکہ میں شکست کی دستاویز INSTRUMENT OF SURRENDER پر پاکستان کے کمانڈر ایسٹرن کمانڈ جنرل نیازی اور ہندوستان کے JAGJIT SINGH AURORA نے دستخط کئے تھے۔ ہندوستان کو ان اسیر پاکستانی فوجیوں کے ساتھ جنیوا کنونشن کے تحت سلوک کرنا تھا جس کا ذکر ہتھیار ڈالنے کی دستاویز میں کیا گیا ہے لیکن ہندوستان نے جنیوا کنونشن کے قواعد کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اس نے ان فوجیوں کو پاکستان کے حوالے کرنے کے بجائے مشرقی پاکستان سے ہندوستان منتقل کیا اور اپنے ملک کی مختلف جیلوں میں انہیں قید کر دیا در حقیقت ہندوستان ان جنگی فوجی قیدیوں کے ذریعے پاکستان سے سیاسی مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا باوجودیکہ ان جنگی فوجی قیدیوں کو ہندوستان میں زیادہ عرصے تک رکھنا خود ہندوستان جیسے غریب اور ترقی پذیر ملک کی معیشت کے لئے ایک بوجھ تھا۔ مشرقی پاکستان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے کے نیازی اور مشرقی پاکستان کے سابق گورنر اے ایم مالک

فوجی مشیر میجر جنرل راؤ فرمان علی کو ایک خصوصی طیارے سے ڈھاکہ سے کلکتہ لایا گیا اور پھر انہیں وہاں سے کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جایا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پاکستانی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل نیازی اور میجر جنرل راؤ فرمان علی کو جبلپور (بھارت) میں جنگی کیمپ میں قید کر دیا گیا۔ ادھر مشرقی پاکستان کے سابق گورنر ڈاکٹر اے ایم مالک ڈھاکہ کے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں ریڈ کراس کی پناہ میں تھے۔ پاکستان کے تقریباً ۳۰ ہزار فوجیوں اور ۱۲ ہزار نیم فوجیوں کو جو ڈھاکہ چھاؤنی میں تھے۔ ایک کیمپ میں جمع کیا گیا اور اس کے بعد انہیں بھارت بھیجنے کا بندوبست کیا گیا۔ اس کیمپ میں مشرقی پاکستان کے سابق گورنر اے ایم مالک ان کی کابینہ کے تمام وزراء، اعلیٰ سول حکام، مغربی پاکستان کے تقریباً ڈیڑھ سو پولیس افسر، پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کے عملے کے ارکان اور بڑی تعداد میں مغربی پاکستانی شہری بھی رکھے گئے تھے۔ ریڈ کراس سے بات چیت کے بعد ڈھاکہ کے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں مقیم مغربی پاکستان کے دو سو ۴ باشندوں کو بھی ٹرکوں کے ذریعے ڈھاکہ چھاؤنی پہنچا دیا گیا۔ اس طرح ڈھاکہ کے اس غیر جانبدار علاقہ کی حیثیت بھی اب ختم ہو گئی تھی۔

عوامی لیگ کے صفِ اوّل کے قائدین ہندوستان میں تھے۔ یہ رہنما مارچ ۷۱ء کی فوجی کارروائی کے بعد ہندوستان چلے گئے تھے۔ ہندوستان میں رہ کر ان عوامی لیگی لیڈروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں نمایاں طور پر حصہ لیا تھا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد یہ لیڈر مشرقی پاکستان واپس آ گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی عدم موجودگی میں مشرقی پاکستان میں ایک عبوری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ عوامی لیگ کے تاج الدین وزیراعظم اور سید نذرالاسلام صدر ہو گئے۔

عوامی لیگ کے صدر اور مشرقی پاکستان کی سرکردہ سیاسی شخصیت شیخ مجیب الرحمٰن تمام حالات سے بے خبر مغربی پاکستان کی ایک جیل میں مقید تھے۔ مشرقی پاکستان، پاکستان سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ صدر یحییٰ خان باقی ماندہ پاکستان کی حکمرانی مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کو دے کر اقتدار سے دستبردار ہو چکے تھے تاہم عوام میں مایوسی اور بددلی کے آثار نمایاں تھے۔ اس وقت بعض لوگوں کا اب بھی یہ خیال تھا کہ شیخ مجیب پاکستان کو دوبارہ متحد کر سکتا ہے چنانچہ لوگ شیخ مجیب الرحمٰن کی بابت جاننے کے لئے بے تاب



تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے پاکستان میں محفوظ ہونے کی سب سے پہلے خبر مسٹر بھٹو نے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کے فوراً بعد ایک پریس کانفرنس میں دی۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ نیویارک سے آج واپسی پر انہوں نے شیخ مجیب کے بارے میں معلومات حاصل کیں وہ زندہ سلامت اور ٹھیک ٹھاک ہیں جب صدر سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیں گے اور ان سے مذاکرات کریں گے تو انہوں نے جواب میں کہا ازراہ مہربانی کچھ عرصہ ٹھہریئے اور عوام کے خیالات پر غور کرنے دیجئے انہوں نے کہا کہ شیخ مجیب مغربی پاکستان میں مقبول نہیں ہیں تاہم انہوں نے یقین دلایا کہ ان کے ذہن میں ایک منصوبہ ہے جس پر عمل درآمد کیا گیا تو ہر شخص مطمئن ہو جائے گا انہوں نے کہا اس سوال کا سیدھا جواب دینے سے پہلے انہیں عوام کے پاس جانا ضروری ہے۔

۲۱، دسمبر کو صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مسٹر بھٹو نے حکم دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو جیل سے نکال دیا جائے اور انھیں ایک بنگلے میں نظر بند کر دیا جائے۔ جیل سے راولپنڈی کے ایک بنگلے میں منتقل کئے جانے کے بعد ۲۷، دسمبر کی رات کو مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب سے اس بنگلے میں ملاقات کی۔ شیخ مجیب کو ان کے محافظوں نے بتایا کہ کوئی شخص اُن سے ملنے آیا ہے شیخ مجیب کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ کون ملنے آیا ہے جب شیخ مجیب کو ایک کمرے میں لے جایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں مسٹر بھٹو بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ شیخ مجیب نے مسٹر بھٹو سے پوچھا "آپ یہاں پہنچنے میں کس طرح کامیاب ہوئے؟" مسٹر بھٹو نے کہا "میں اب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر ہوں"۔ اس پر شیخ مجیب نے کہا "بہت خوب۔ اب مجھے آپ یہ بتایئے کہ میں آزاد ہوں یا نہیں۔ اس کے بعد ہی میں آپ سے بات کروں گا ورنہ نہیں" مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب سے کہا کہ آپ آزاد ہیں لیکن کیا آپ کچھ وقت کے لئے انتظار نہیں کر سکتے اس پر شیخ مجیب راضی ہو گئے اور دونوں رہنماؤں نے تمام صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کیا۔

۳ جنوری ۱۹۷۲ء کو صدر بھٹو نے کراچی کے نشتر پارک کے تاریخی جلسہ عام میں شیخ مجیب الرحمٰن کی غیر مشروط رہائی کا اعلان کر دیا۔ صدر بھٹو نے اس اعلان سے قبل عوام سے شیخ مجیب کی رہائی کے بارے میں منظوری لی۔ جلسۂ عام میں موجود لاکھوں عوام نے ایک آواز ہو کر ان کی رہائی کے حق میں فیصلہ دیا۔ صدر بھٹو نے اس فیصلے پر اظہارِ مسرت اور اظہارِ اطمینان کیا اور کہا کہ آپ نے میرے

سر سے بوجھ اتار دیا ہے انھوں نے کہا کہ یہ رائے کراچی کے عوام کی ہے لیکن راولپنڈی، گجرات حیدرآباد غرض ہر شہر کے عوام کی رائے اس سے مختلف نہیں ہو سکتی۔ کراچی کے عوام کا جو فیصلہ ہے وہ تقریباً پورے ملک کا فیصلہ ہے انھوں نے کہا کہ تاریخ ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ غلطی کس نے کی تھی ہم نے معاملہ شیخ مجیب الرحمٰن کی حب الوطنی پر چھوڑ دیا ہے شیخ مجیب پاکستانی شہری ہیں اور کسی کو اس معاملہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے انھوں نے کہا کہ ہم نے عالمی رائے عامہ کا احترام کیا ہے اب بھارت کو بھی چاہیئے کہ وہ عالمی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے پاکستان کے ان علاقوں کو چھوڑ دے جن پر اس نے حالیہ جنگ میں قبضہ کیا ہے صدر بھٹو نے نشتر پارک کے اس فقید المثال جلسے میں جس نے کراچی کی تاریخ میں ایک ریکارڈ قائم کیا ہے۔ بڑی تفصیل کے ساتھ ملکی اور بین الاقوامی سیاست کا جواب دیا۔

انہوں نے کہا قوم کو جس بحران کا سامنا ہے وہ دراصل گذشتہ ۲۴ سال کی غلطیوں کا نتیجہ ہے پورے ۲۴ سال کی تاریخ ہم پر آن پڑی ہے لیکن ہمیں اب ایک نیا پاکستان بنانا ہے ایسا پاکستان جس کا تصور قائداعظم نے دیا تھا۔ ایسا پاکستان جس میں غریبوں کا استحصال نہ ہو ایسا پاکستان جس میں مزدور اور کسان باعزت زندگی گزار سکے۔ جہاں محنت کی عزت ہو گذشتہ تین سال سے عوام کو گمراہ کیا گیا ہے انہیں صحیح صورت حال نہیں بتائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ جنگ کے دوران جب وہ نیویارک میں تھے تو جب ریڈیو پاکستان سنتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ہماری فتح ہو رہی ہے لیکن جب بین الاقوامی ریڈیو سنتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ صورت حال نازک ہو رہی ہے سابق صدر یحییٰ خان کہتے تھے کہ اگر ہمیں ایک محاذ پر شکست ہو گئی تو کیا ہوا ہم آخر دم تک لڑیں گے۔ ہم قربانی دینے کے لئے تیار ہیں آخر میں جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہے۔ جب حقائق سامنے آئے تو معلوم ہوا کہ بین الاقوامی ریڈیو جو کہتے تھے ان میں کچھ حقیقت تھی۔ صدر بھٹو نے کہا کہ جب ملک کی حالت تباہ ہو گئی۔ ملک خانہ جنگی کی حالت تک پہنچ گیا تو یحییٰ خان نے کہا "تو جی سنبھالو اقتدار" اب ہم اقتدار عوام کو دے رہے ہیں۔

مسٹر بھٹو نے کہا کہ اب شیخ مجیب الرحمٰن کا سوال ہے یہ بات تو الگ ہے کہ کس نے



قصور کیا۔ تاریخ یہ فیصلہ کرے گی کہ قصور کس کا تھا کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ یحییٰ سے غلطی ہوئی کچھ یہ کہیں گے کہ مجیب الرحمٰن سے غلطی ہوئی۔ کچھ لوگ کہیں گے مجھ سے غلطی ہوئی کچھ یہ کہیں گے کہ تینوں سے غلطی ہوئی لیکن اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا کہا تھا ہم نے یہ کہا تھا کہ اسمبلی کو چند ہفتوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ ۱۲۰ دن کی مدت ختم کر دو اس میں کیا گناہ تھا ہم اس صورت میں اسمبلی میں جا کر کیا کرتے اگر ہم کوئی ایسی بات کرتے تو عوام ہمیں پکڑ لیتے کہ ہم نے آپ کو ووٹ دیئے تھے آپ نے کیا کیا۔

ہم یہ چاہتے تھے کہ اسمبلی کے باہر کوئی فیصلہ ہو تو ہم اسمبلی میں اسے قبول کروائیں آخر بحران کس نے پیدا کیا تھا کیا ناظم الدین کو ہم نے برطرف کیا تھا کیا سہروردی کی وزارت ہم نے توڑی تھی کیا جمہوریت ہم نے ختم کی تھی کیا ون یونٹ ہم نے بنایا تھا۔ ریلوے کو کس نے تقسیم کیا تھا سرومز کو کس نے تقسیم کیا تھا کس نے استحصال کیا تھا کیا ہم نے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان میں پبلک سیکٹر کو ترقی نہ کرنے دو لیکن سوال یہ پیدا ہو گیا کہ یہ مغربی پاکستان ہے وہ مشرقی پاکستان ہے اور ۲۴ سال کی تاریخ ایک دم ہم پر گر پڑی۔ ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری بات سنی جائے گی اور اگر کوئی معقول بات ہوئی تو اسے قبول کیا جائے گا آخر کو ہم جانوروں کے نمائندے تو نہیں ہم انسانوں کے نمائندے ہیں اگر ہم ڈھاکہ میں کوئی بات تسلیم کر لیتے تو ہم عوام کو کیسے جواب دیتے ہم یہ کیسے مان لیتے کہ پھر سے ون یونٹ بنایا جائے آخر سندھ کے عوام اسے کیسے مان لیتے بلوچستان کے عوام اسے کیسے مان لیتے ہم بھی بڑے پھنسے ہوئے تھے ہم نے یحییٰ خان سے کہا کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت دے دیجئے اس میں کون سا گناہ تھا ہم نے یہ مہلت اس لئے مانگی تھی تاکہ ہم عوام کو سمجھا سکیں گے۔ یحییٰ خاں نے بہت سی باتیں ہم سے چھپائیں بہت سی باتیں شیخ صاحب سے چھپائیں۔ یحییٰ خاں کا قانونی ڈھانچہ کا حکم ایک فراڈ تھا یہ عوام سے غداری تھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی بڑی سازش ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں اب ہمیں ملک کو پھر سے بنانا ہے اس کے لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں ہم نے اس صورت حال پر غور کیا ہے جب میں نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو شیخ مجیب الرحمٰن سے پہلی بار بات کی تو انہوں نے سوال کیا کہ "کیا میں آزاد ہوں" میں نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے آپ آزاد ہیں لیکن مجھے

اپنے عوام سے فیصلہ لینا ہے مجھے تھوڑا سا وقت چاہیئے تاکہ میں عوام کی رائے اور منظوری لے لوں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن ترپ کا پتہ ہیں لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ ہمیں سودے بازی کی ضرورت نہیں۔ معاملہ شیخ صاحب کی حب الوطنی پر چھوڑ دیا جائے۔ میری بھی یہ رائے ہے کہ ہمیں سودے بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس موقع پر مسٹر بھٹو نے عوام سے رائے لی کہ آیا شیخ مجیب الرحمٰن کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے تو عوام نے بڑے پرجوش طور پر شیخ مجیب کی رہائی کے حق میں ہاتھ اُٹھا کر رائے دی۔ مسٹر بھٹو نے اس کے بعد کہا کہ آپ نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ یہ رائے صرف کراچی کے عوام کی نہیں بلکہ پورے پاکستان کی ہے۔ اگر میں راولپنڈی کے عوام سے رائے لیتا یا گجرات کے عوام سے رائے لیتا تو ان کی بھی یہی رائے ہوتی۔ آپ کی بڑی مہربانی۔ بین الاقوامی رائے عامہ بھی یہی ہے کہ شیخ مجیب کو رہا کر دیا جائے۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ میں لاڑکانہ جا رہا ہوں لاڑکانہ کے بعد میں راولپنڈی جاؤں گا اور عوام کے اس فیصلے کو عملی جامہ پہناؤں گا۔

ملک کے سیاسی لیڈروں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی غیر مشروط رہائی کے بارے میں صدر بھٹو کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ عالمی رائے عامہ نے مسٹر بھٹو کے فیصلے کو ایک مدبرانہ اقدام قرار دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان اتحاد کی آخری امید تھے مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کو غیر مشروط رہائی دے کر لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مسٹر بھٹو چاہتے تو شیخ مجیب کو پورے پاکستان کے اقتدار کی پیش کش کر سکتے تھے لیکن ایسا کرنے میں خود ان کے اقتدار کو خطرہ تھا۔

۸ جنوری ۱۹۷۲ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کو صبح ۳ بجے پی آئی اے کے ایک خصوصی طیارے کے ذریعہ ڈرامائی طور پر راولپنڈی سے لندن بھیج دیا گیا۔ شیخ مجیب کی پاکستان سے روانگی کو مکمل طور پر صیغۂ راز میں رکھا گیا اور لوگوں کو اس وقت علم ہوا جب شیخ مجیب لندن پہنچ چکے تھے۔ شیخ مجیب کے ساتھ عوامی لیگ کے منتخب رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر کمال حسین اور ان کے اہل خاندان بھی تھے۔ ہوائی اڈے پر خود ذوالفقار علی بھٹو اور پنجاب کے گورنر غلام مصطفےٰ کھر نے انہیں الوداع کہا۔ مجیب الرحمٰن کی روانگی سے قبل صدر بھٹو نے ۴ گھنٹے تک



شیخ مجیب الرحمٰن سے بات چیت کی جو دو نشستوں پر مشتمل رہی۔ مذاکرات میں پنجاب کے گورنر مصطفےٰ کھر اور عوامی لیگی رہنما ڈاکٹر کمال حسین بھی شریک رہے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق صدر بھٹو اور غلام مصطفےٰ کھر شیخ مجیب الرحمٰن ڈاکٹر کمال حسین اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ رات دو بجے ہوائی اڈے پر پہونچے اور روانگی سے قبل کچھ دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ اس کے بعد شیخ مجیب، ڈاکٹر کمال حسین ان کی اہلیہ اور ان کا ایک بچہ پی آئی اے کے بوئنگ ۷۰۷ میں بیٹھے۔ ان کے ساتھ پی آئی اے کے سربراہ ایئر وائس مارشل ظفر چودھری بھی موجود تھے۔ طیارہ براستہ انقرہ لندن روانہ ہو گیا۔ اس سے قبل یہ طیارہ کراچی سے رات بارہ بجے راولپنڈی پہنچا تھا۔ صدر بھٹو نے جو شیخ مجیب الرحمٰن کی روانگی کے چند گھنٹوں بعد شہنشاہ ایران کا خیر مقدم کرنے کیلئے راولپنڈی کے ہوائی اڈے پر آئے تھے اخباری نمائندوں کے مختلف سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی اور روانگی کا یہ پورا سلسلہ خود شیخ مجیب کی مرضی اور ایماء پر کیا گیا۔ صدر نے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کسی سے ملنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہیں کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صدر نے بتایا کہ انہوں نے کل شام سات بجے سے پونے دس بجے تک اور پھر گورنر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر اور ڈاکٹر کمال حسین کی موجودگی میں رات ایک بجے ملاقات کی۔ صدر نے کہا کہ اس وقت تک شیخ مجیب الرحمٰن لندن پہنچ گئے ہوں گے ان کی لندن روانگی کو خود شیخ مجیب کی مرضی کے مطابق پوشیدہ رکھا گیا اور روانگی کے لئے لندن کا انتخاب بھی خود شیخ مجیب الرحمٰن نے کیا۔ صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کے نتائج سے آگاہ نہیں کیا۔ دریافت کیا گیا کہ کیا وہ پھر شیخ مجیب سے ملاقات کریں گے تو صدر نے کہا مجھے توقع ہے کہ میں جلد ہی دوبارہ شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کر سکوں گا۔

مشرقی پاکستان کے رہنما شیخ مجیب الرحمٰن کو لے کر پی آئی اے کا خصوصی طیارہ گرینچ کے معیاری وقت کے مطابق ۶ بجکر ۳۵ منٹ پر لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر پہنچا۔ ہوائی اڈے پر برطانوی وزارت خارجہ کے جنوب مشرقی ایشیائی امور کے افسر آئن سودرلینڈ نے ان کا خیر مقدم کیا اور وی آئی پی لاؤنج میں کافی دیر تک مشرقی پاکستانی رہنما سے معروف گفتگو

رہے ۔ لندن کے ہوائی اڈے پر برطانوی دفتر خارجہ کے افسر کے علاوہ پاکستانی ہائی کمیشن کے ایک سفارتی افسر نے بھی ان سے ملاقات کی ۔ ہوائی اڈے پر شیخ مجیب سے دریافت کیا گیا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں تو کچھ ناگواری سے بڑے تکلف کے ساتھ انگریزی میں جواب دیا یہاں آکر میں خوش ہوں ۔ بعد میں وہ اور ان کے ساتھی عوامی لیگ کے رکن قومی اسمبلی کمال حسین بیرسٹر لندن کے اعلیٰ درجہ کے ہوٹل کلاریج روانہ ہوگئے ۔ لندن پہنچنے پر شیخ مجیب کے لئے حفاظتی بیش بندیاں کی گئیں اور انھیں ایک گھنٹہ تک مذاکرات کے لئے وی پی لاؤنج میں ٹھہرایا گیا ۔ شیخ صاحب تھکے ماندے اور نیند کے خواہاں نظر آرہے تھے ۔ انہوں نے ایرپورٹ پر ۲ گھنٹے گزارے اور پھر کلاریج ہوٹل روانہ ہوگئے ۔ شیخ مجیب سفید کھلے گلے کے کرتے پاجامہ اور کوٹ پہنے اور گلوبند پہنے ہوئے تھے ہوٹل میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ لندن میں بنگلہ دیش مشن کے نمائندے بھی موجود تھے بنگلہ دیش مشن کے ترجمان نے کہا کہ یہ موقع بڑی مسرت کا ہے پاکستان ہائی کمیشن کے ترجمان نے بتایا کہ پاکستان ہائی کمشنر کو حالات سے باخبر رکھا گیا ہے ۔ ہوائی اڈے کے ایک افسر نے بتایا کہ شیخ مجیب تصویروں کی بہ نسبت کچھ دبلے نظر آرہے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود اپنی مرضی سے لندن آئے ہیں برطانوی دفتر خارجہ کے ترجمان نے بتایا کہ برطانوی حکومت کو شیخ مجیب الرحمٰن کی اطلاع نہیں دی گئی تھی ۔ لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر پہنچ کر شیخ مجیب الرحمٰن نے وی آئی پی لاؤنج میں جاتے ہوئے اخباری نمائندوں سے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور کہا کہ آپ مجھے خوش و خرم اور زندہ سلامت دیکھ رہے ہیں اس وقت آپ صرف مجھے دیکھ سکتے ہیں ۔

لندن کے کلاریج ہوٹل میں شیخ مجیب الرحمٰن سے ملنے والوں کا تانتا بندھ گیا ان میں لندن میں بھارت کے ہائی کمشنر بی پنت اور برطانوی حزب اختلاف کے رہنما پیٹر شور اور بروس ڈگلس مین شامل تھے ۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی اور لندن پہنچنے کی خبریں ڈھاکہ کے عوام نے سنیں تو حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور لوگ سڑکوں پر نکل آئے ۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے ۸ جنوری کی شام برطانوی وزیر اعظم ایڈورڈ ہیتھ سے ملاقات کی ۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے اور دیگر متعلقہ مسائل پر گفتگو کی ۔ انہوں نے برطانوی



حزب اختلاف کے قائد مسٹر ولسن اور دولت مشترکہ کے سیکرٹری جنرل سے بھی ملاقات کی ۔ شیخ مجیب نے اپنے افراد خانہ سے بھی ٹیلیفون پر بات کی ۔ انہوں نے نصف گھنٹے تک اپنی بیوی ، بڑے بیٹے اور خاندان کے دیگر افراد سے گفتگو کی اور انہیں بتایا کہ میں بالکل خیریت سے ہوں ۔ انہوں نے بنگلہ دیش کے قائم مقام صدر نذر الاسلام اور وزیر اعظم تاج الدین سے بھی ٹیلیفون پر گفتگو کی ۔ نذر الاسلام نے انہیں بتایا کہ عوام شدید بے چینی کے عالم میں ان کا انتظار کر رہے ہیں ۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے لندن میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ بنگلہ دیش پاکستان کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتا ۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے نئے صدر بھٹو مشرقی بنگال اور مغربی پاکستان کے درمیان رابطہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ جب تک میں مشرقی بنگال جاکر اپنے عوام سے نہیں ملوں گا تب تک اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ ہم سب کے ساتھ رابطہ رکھیں گے لیکن پاکستان کے ساتھ مل کر رہنا ممکن نہیں ۔ انہوں نے کہا بنگلہ دیش ایک آزاد اور دنیا کی دوسری بڑی مسلم مملکت ہے انہوں نے تمام ملکوں سے کہا کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیں ۔ شیخ مجیب نے اس بات پر زور دیا کہ بنگلہ دیش کو اقوام متحدہ کا ممبر بنالیا جائے ۔ شیخ مجیب نے کہا بنگلہ دیش کے عوام نے آزادی کے لئے جو قربانیاں دی ہیں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ دنیا میں کسی ملک کے عوام نے آزادی کی اتنی بڑی قیمت ادا نہیں کی جتنی کہ بنگلہ دیش کے عوام نے ۔ بنگلہ دیش ناقابل تردید حقیقت ہے ۔ دنیا کو چاہیئے کہ وہ بنگلہ دیش کو آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے تسلیم کرلے ۔ انہوں نے بنگلہ دیش کی حمایت کرنے پر بھارت ، روس ، پولینڈ ، برطانیہ ، فرانس اور امریکہ کا شکریہ ادا کیا ۔ شیخ مجیب نے کہا صدر بھٹو نے مجھے وہ تمام سہولتیں دیں جن سے یحییٰ خان نے مجھے محروم کر دیا تھا پریس کانفرنس میں شیخ مجیب ہشاش بشاش نظر آرہے تھے وہ سیاہ رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے تھے بنگلہ دیش کا بیج بھی کوٹ پر لگا ہوا تھا ان کے ہاتھ میں ایک بالکل نیا پائپ بھی تھا ۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ڈھاکہ جانے کی بجائے لندن کیوں آئے ہیں تو شیخ مجیب نے جواب دیا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ میں ایک قیدی تھا اور پاکستانی حکام کی مرضی پر اس کا انحصار تھا نہ کہ شیخ مجیب کی مرضی پر ۔ گذشتہ دس ماہ کے

عرصہ میں ان کے ساتھ میں جو سلوک کیا گیا اس کا شیخ مجیب نے انتہائی تلخی سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا مجھے میانوالی جیل کی ایک کوٹھڑی میں تنہا رکھا گیا جہاں مجھے نہ اخبار دیا گیا نہ ریڈیو اور نہ کوئی ایسی سہولت کہ میں اپنی بیوی بچوں سے مل سکتا۔ جب صدر بھٹو برسر اقتدار آئے تو انہوں نے مجھے ہر قسم کی سہولت فراہم کی جس کا مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ شیخ مجیب نے اپنے خلاف مقدمہ کو ایک مضحکہ خیز کارروائی قرار دیا۔ انہوں نے کہا جب بروہی میری وکالت کرنے عدالت پہنچے تو میں نے انہیں عدالت سے چلے جانے کو کہا تھا مجھے کسی وکیل صفائی کی ضرورت نہیں تھی سابق صدر یحییٰ خاں نے لے کے بروہی کو میرے اوپر مسلط کر دیا تھا۔ یحییٰ خان نے مجھے بُرے وقت میں کام آنے والے مہرے کے طور پر اٹھا رکھ چھوڑا تھا ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جسمانی اعتبار سے میرے ساتھ بُرا سلوک نہیں کیا گیا تاہم میں انتہائی ذہنی اذیت میں مبتلا رہا انہوں نے کہا کہ مجھے بنگلہ دیش کے بارے میں بھی مسٹر بھٹو سے ہی کچھ معلوم ہوا اگرچہ میں یہ بات جانتا تھا کہ جنگ ہو رہی تھی لیکن میں واقعات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں یہ بات تک نہیں جانتا تھا کہ چین اقوام متحدہ کا ممبر بن چکا ہے۔ شیخ مجیب نے کہا مشرقی پاکستان پر اس قدر ظلم ڈھائے گئے تھے کہ اگر ہٹلر زندہ ہوتا تو وہ بھی ان واقعات پر شرمسار ہوتا۔ انہوں نے کہا میں کسی اور جنگ میں اپنی آزادی کھونے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

ہندوستان کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے شیخ مجیب الرحمٰن سے لندن ٹیلی فون پر بات کی انہیں مبارک باد دی اور دہلی آنے کی دعوت دی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے ہندوستانی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی یہ دعوت قبول کر لی کہ وہ نئی دہلی جاتے ہوئے ڈھاکہ جائیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو لینے کے لئے انڈیا ائیر لائنز کا ایک خصوصی بوئنگ ۔۔۔ لندن پہنچ چکا تھا۔ ادھر بنگلہ دیش کے وزیراعظم تاج الدین اور وزیر خارجہ عبدالصمد آزاد نے بھی برطانوی وزیراعظم سے کہا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن کو ڈھاکہ سے پہلے نئی دہلی پہنچانے کا انتظام کریں بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ عبدالصمد آزاد نے ڈھاکہ میں ایک ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا صدر پاکستان کے باہر ہے اور بہت جلد ڈھاکہ پہنچ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج ہم بہت خوش ہیں آج ہمارے خواب پورے ہو گئے۔ آج ہم واقعی آزاد ہیں۔ آج ہماری رہنمائی



کے لئے ہمارا قائد موجود ہے۔ ہمارے ملک اور عوام کا صدر موجود ہے انہوں نے کہا کہ اس زمین پر کبھی بھی کسی شخص کو اپنے عوام کی ایسی حمایت حاصل نہیں رہی ہے جیسی شیخ مجیب الرحمٰن کو حاصل ہے انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش کے ساڑھے سات کروڑ عوام مسز گاندھی اور بھارتی عوام کے ہمیشہ شکر گذار رہیں گے۔

۱۰ جنوری کی صبح شیخ مجیب الرحمٰن برطانوی فضائیہ کے ایک کومٹ طیارہ میں لندن سے دہلی پہنچے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ مجیب نے ائیر انڈیا کا طیارہ استعمال نہیں کیا جو انہیں لینے کے لئے بمبئی سے لندن پہنچا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کا نئی دہلی پہنچنے پر نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ صدر وی وی گری اور وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے ائیر پورٹ پر ان کا استقبال کیا۔ ہندوستانی صدر وی وی گری نے شیخ مجیب الرحمٰن کا استقبال کرتے ہوئے انہیں بابائے بنگلہ دیش کہہ کر مخاطب کیا۔ انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا گیا اور بنگلہ دیش اور ہندوستان کے قومی ترانے بجائے گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کابینہ کے ارکان سے مصافحہ کیا جنہوں نے انہیں مبارک باد پیش کی۔ آل انڈیا ریڈیو نے شیخ مجیب الرحمٰن کی آمد پر آنکھوں دیکھا حال نشر کیا۔ بعد میں شیخ مجیب الرحمٰن ایک کھلی موٹر میں پریڈ گراؤنڈ روانہ ہو گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے ہوائی اڈہ پر کہا کہ میرے عوام گذشتہ نو ماہ سے مصائب برداشت کرتے رہے ہیں اب میں ایک آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش جا رہا ہوں۔ مجھے اور میری قوم کو اس وقت اپنی فتح کو امن میں تبدیل کرنا ہے۔ انہوں نے آخر میں جے بنگلہ، جے ہند کا نعرہ لگایا۔ پندرہ ملکوں کے سفارتی نمائندے ہوائی اڈے پر موجود تھے جن میں روسی بلاک، برطانیہ، آئرلینڈ اور امریکہ کے نمائندے شامل تھے۔ بعد میں شیخ صاحب کو پریڈ گراؤنڈ لے جایا گیا جہاں ۲۰ فٹ اونچی اسٹیج سے انہوں نے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ وزیراعظم مسز اندرا گاندھی سبز ساڑھی اور سیاہ کوٹ میں ملبوس ان کے برابر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شیخ صاحب نے انگریزی میں تقریر شروع کی لیکن سامعین کے مطالبہ پر بنگلہ میں خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان بھائیوں کی طرح لافانی دوستی قائم رہے گی انہوں نے کہا کہ میرے عوام اس مصیبت کے دور میں ہندوستان کی بھرپور امداد کے لئے اس کے شکر گذار ہیں۔

انہوں نے مسز اندرا گاندھی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے سنہری بنگال پہنچنے کے لئے بے تاب ہوں جو میرے خوابوں کی سرزمین ہے۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ میں اپنی رہائی کے لئے مسز گاندھی کا ذاتی طور پر شکرگزار ہوں۔ مسز اندرا گاندھی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم نے مشرقی پاکستانی پناہ گزینوں کی واپسی مکتی باہنی کی ہر طرح امداد اور شیخ مجیب کو رہائی دلانے کا وعدہ کیا تھا اور اب یہ تمام وعدے پورے ہو چکے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ ان کی قوم سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوریت پر یقین رکھتی ہے اور اس معاملہ میں ان کی اور مسز گاندھی کی پالیسیاں یکساں ہیں۔ انہوں نے پناہ گزینوں کو پناہ، غذا اور دیگر سہولتیں فراہم کرنے پر بھی ہندوستان کا شکریہ ادا کیا۔ جلسۂ عام سے خطاب کرنے کے بعد شیخ مجیب اندرا گاندھی کے ہمراہ صدارتی محل روانہ ہو گئے جہاں دونوں کے درمیان ۴۵ منٹ تک مذاکرات ہوئے۔ دہلی میں تقریباً پونے تین گھنٹے قیام کرنے کے بعد شیخ مجیب ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔

شیخ مجیب الرحمٰن ۱۰ جنوری کی دوپہر برطانوی شاہی فضائیہ کے طیارہ میں نئی دہلی سے ڈھاکہ پہنچے تو ہوائی اڈے پر لاکھوں بنگالیوں نے ان کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ جیسے ہی وہ طیارہ سے باہر آئے ان کے والد شیخ لطف الرحمٰن نے انہیں گلے لگا لیا۔ ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی وہاں موجود تھے لیکن بیگم مجیب ہوائی اڈے پر نہیں آئی تھیں شیخ صاحب کو ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور انہوں نے بنگلہ دیش کی بحری، بری اور فضائی افواج کے گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا اور معززین سے ملاقات کی جن میں برطانیہ، امریکہ، مغربی جرمنی اور آسٹریلیا اور دیگر کئی ملکوں کے سفارتی مشنوں کے سربراہ موجود تھے۔ بعد میں شیخ مجیب ایک آراستہ ٹرک پر سوار ہو کر جس پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرا رہا تھا۔ ریس کورس کے میدان روانہ ہو گئے۔ جہاں ایک عظیم الشان جلسے کا انتظام کیا گیا تھا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ کے ریس کورس گراؤنڈ میں ایک بڑے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے ساتھ تعلقات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے ہیں۔ ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کا دعویٰ ہے کہ اس اجتماع میں دس لاکھ افراد تھے۔ شیخ مجیب نے



کہا کہ راولپنڈی میں صدر بھٹو نے ان سے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات برقرار رکھے جائیں میں نے کہا کہ اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اب انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے ساتھ تمام تعلقات کا خاتمہ ہو گیا ہے انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان کے عوام سے میری کوئی دشمنی نہیں میں ان کی خیریت اور خوشحالی کا متمنی ہوں۔ انہیں ان کے ملک میں آزاد رہنے دیا جائے اور ہمیں اپنے ملک میں آزاد رہنے دیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے خبردار کیا کہ ہمیں دوبارہ غلام بنانے کے لئے بڑی طاقتوں کی مدد سے کی جانے ہر سازش ناکام بنا دی جائے گی انہوں نے غیر بنگالی مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے خلاف انتقامی کارروائی نہیں ہوگی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچایا جائے گا مگر تمہیں اعلان کرنا ہوگا کہ تم بنگالی بن چکے ہو۔ شیخ مجیب نے بنگالیوں سے کہا کہ وہ انتقامی کارروائیاں اور لوٹ مار بند کر دیں انہوں نے کہا کہ میں تمہارے صدر یا رہنما کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بھائی کی حیثیت سے اپیل کرتا ہوں حکم دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ بنگلہ دیش میں آج سے لاقانونیت کی تمام کارروائیاں ختم ہو جانی چاہئیں انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ آج میرا ملک آزاد ہے، میرا سنہرا بنگال آزاد ہے، میرا خواب حقیقت بن چکا ہے۔ شیخ مجیب نے کہا کہ اگر صدر بھٹو نے بنگلہ دیش کو ختم کرنے کی کوشش کی تو ایسا ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا میں اپنے خون کے آخری قطرہ تک بنگلہ دیش کی آزادی برقرار رکھوں گا۔ پاکستان کی فوج کی کارروائی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے آنسو بہہ نکلے انہوں نے پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے لاکھوں ہم وطنوں کو قتل کیا۔ ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لوٹیں بے تعداد مکانات نذرِ آتش کئے اور میرے ایک کروڑ عوام کو پڑوسی ملک میں دھکیل دیا اس کے باوجود میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی نفرت نہیں تمہیں اپنی آزادی حاصل ہے اور ہمیں بھی اپنی آزادی برقرار رکھنے دو۔ انہوں نے اعلان کیا کہ سوشلزم، سیکولرازم اور جمہوریت بنگلہ دیش کی قومی پالیسی ہوگی انہوں نے کہا کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی نے آزادی کی خاطر اس قدر قربانیاں نہیں دی ہیں جتنی کہ بنگلہ دیش میں دی گئیں۔ شیخ مجیب نے کہا کہ بنگلہ دیش ایک

خود مختار ملک ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا انہوں نے پاکستانی فوج کے ہاتھوں مارے جانے والوں کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے لئے دعا کی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ پاکستانی ہمیں غیر مسلم کہتے ہیں لیکن میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بنگلہ دیش، انڈونیشیا کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسلمان مملکت ہے۔ تقریر کے دوران شیخ مجیب دو مرتبہ جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے رو پڑے۔ آخر میں انہوں نے تھکن سے چور ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا کہ میں آج زیادہ نہیں بول سکتا۔ کیونکہ میں وہ مجیب الرحمٰن نہیں ہوں جو ۹ ماہ قبل تھا اور سامعین کو گھنٹوں تک مسحور رکھ سکتا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ بعض بنگالیوں نے مغربی پاکستان میں ان پر مقدمہ کے دوران گواہیاں دی تھیں انھوں نے کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج جب میں نے طیارہ سے نکل کر اپنی مادرِ وطن کی زمین پر قدم رکھا تو اپنے آنسو نہ ضبط کر سکا کیونکہ میں سوچا کرتا تھا کہ اپنے سنہری بنگال کو واپس بھی جا سکوں گا یا نہیں۔ انہوں نے میری قبر کھود رکھی تھی۔ یہ محض خدا کا کرم ہے کہ آج میں یہاں ہوں لیکن میں نے پاکستان کے حکمرانوں کو بتا دیا تھا کہ میں کبھی بھی ان سے معافی کا طلب گار نہیں ہوں گا میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں مر گیا تو مسکراتا ہوا مروں گا لیکن میرے عوام آزاد ہو جائیں گے۔ شیخ مجیب نے امید ظاہر کی کہ تمام ممالک بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیں گے اور اسے اقوام متحدہ میں بھی نمائندگی مل جائے گی انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے عوام کے لئے کپڑے، خوراک اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہے انہوں نے سرکاری افسروں کو خبردار کیا کہ بدعنوانی اور رشوت خوری ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی۔ شیخ مجیب نے بنگلہ دیش میں بھارتی فوجوں کی موجودگی کے بارے میں کہا کہ جس دن ہم چاہیں گے یہ فوجیں ہٹالی جائیں گی۔ میں نے مسز گاندھی سے مذاکرات کئے ہیں۔ میں انہیں جانتا ہوں میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ کوئی بھی ایسا بڑا ملک نہیں ہے جس نے میری رہائی کے لئے کوشش نہ کی ہو میں ذاتی طور پر مسز اندرا گاندھی کا شکر گزار ہوں اور میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

۱۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے وزیر اعظم کی حیثیت سے عہدہ سنبھال لیا اور ابو سعید چودھری نے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھا لیا۔ اس سے قبل نذر الاسلام اور تاج الدین کی حکومت نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ بنگلہ دیش کی کابینہ کا قیام ایک عبوری آئینی حکم



کے تحت عمل میں آیا اس حکم کے تحت ملک میں پارلیمانی جمہوریت قائم کی گئی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے تاج الدین کی سابقہ کابینہ کے تمام افراد کو اپنی کابینہ میں رکھا تھا اور دو نئے وزیر آئینی امور کے مسٹر کمال حسین اور سابق قائم مقام صدر سید نذر الاسلام کو بھی شامل کیا تھا۔ نذر الاسلام اور تاج الدین کو ان کے عہدوں سے ہٹا کر وزیر بنا دیا گیا تھا۔ ۱۲ وزیروں کے نام یہ تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن (وزیر اعظم) سید نذر الاسلام، تاج الدین احمد، کمال حسین، مقصود علی، خوندکر مشتاق احمد، عبد الصمد آزاد، اے ایس قمر الزماں، عبد العزیز شیخ، یوسف علی، ظہور احمد چودھری اور مجمدار۔ گورنر ہاؤس کے ایک کمرہ میں شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے پہلے چیف جسٹس کو حلف اٹھوایا۔ پھر کابینہ کا اجلاس بلایا جس نے ابو سعید چودھری کو صدر منتخب کیا اس کے بعد نئے چیف جسٹس نے نئے صدر کو حلف اٹھوایا۔ نئے صدر نے نئی حکومت تشکیل دینے کی ہدایت کی پھر شیخ مجیب نے وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی ان کی کابینہ نے بھی لیکن ان کے محکموں کا اعلان ابھی نہیں کیا گیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے امریکی ہفتہ وار جریدے "نیوز ویک" کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ صدر بھٹو نے پہلے مجھے سزائے موت سے بچایا۔ پھر مجھے جیل میں قتل کرنے کی کوشش سے محفوظ رکھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ صدر بھٹو نے میری حفاظت کی کوشش کی اور مجھے بچایا۔ مجھے چھ ماہ کے خفیہ مقدمہ کے بعد سزائے موت دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ یہ مقدمہ کورٹ مارشل کی طرز پر سماعت ہوا اور میں نے کوئی دفاع نہیں کیا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ یہ بے کار ہوگا۔ جس روز مشرقی پاکستان پر ہندوستانی فوجوں کا قبضہ ہو گیا سابق صدر یحییٰ نے مجھے قتل کرنے کا حکم دے دیا لیکن صدر بھٹو نے جو اس وقت پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ تھے مجھے پھانسی دینے سے محفوظ رکھا۔ صدر بھٹو کی دلیل یہ تھی کہ ہزارہا مغربی پاکستانی فوجی بھارت کی قید میں ہیں ان کا تحفظ خطرہ میں پڑ جائے گا اس کے کچھ دنوں بعد مجھے جیل میں قتل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن بھٹو کو ان کی بھنک مل گئی اور انہوں نے مجھے جیل سے نکال لیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ میری نگرانی پر متعین سپرنٹنڈنٹ جیل نے مجھے دو روز اپنے گھر میں چھپا کر رکھا۔ اس طرح ۲۶ دسمبر کو مجھے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے راولپنڈی کے ایک بنگلے میں منتقل کر دیا گیا تاکہ صدر

بھٹو سے میری بات چیت ہو سکے۔

بنگلہ دیش قائم ہونے کے بعد بھٹو حکومت نے ابتداء میں یہ پالیسی اختیار کی کہ بنگلہ دیش اب بھی پاکستان کا ایک حصہ ہے یعنی مشرقی پاکستان۔ اور یہ کہ اسے غیر ملکی جارحیت یعنی ہندوستان نے فوجی کارروائی کے ذریعے پاکستان سے علیحدہ کر دیا ہے۔ پاکستان کے ذرائع ابلاغ نے بنگلہ دیش کو "نام نہاد بنگلہ دیش" کے نام سے پکارا۔ پاکستان نے شروع میں ان تمام ممالک سے سفارتی تعلقات توڑنے کا فیصلہ کیا جنہوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ جب چھوٹے ممالک نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا تو پاکستان نے ان سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے لیکن جب بڑے ممالک نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا تو ان سے سفارتی تعلقات برقرار رکھے گئے۔ اس طرح یہ پالیسی ناکام ہو گئی۔ مسٹر بھٹو بحیثیت ایک سیاستدان کے بنگلہ دیش کے وجود کو ایک حقیقت سمجھتے تھے۔ بنگلہ دیش کو ایک آزاد مسلم ریاست کی حیثیت سے تسلیم کرنے میں ان کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ عوام تھے جو اب بھی یہ امید کرتے تھے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے دوبارہ مل جائے گا۔ مسٹر بھٹو اس سلسلے میں خود کوئی ذاتی فیصلہ کر کے عوام کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے ہر چند وہ عوام میں پسندیدہ تھے۔ بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے اپنے موقف پر عوام کی تائید حاصل کرنے کے لئے مسٹر بھٹو نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں عام جلسے منعقد کئے جس میں انہوں نے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے سوال پر عوام سے رائے مانگی۔

مسٹر بھٹو نے اپنے زورِ خطابت سے عوام سے اپنی بات منوانے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن پشاور سے لے کر کراچی تک ہر جگہ عام جلسوں میں لوگوں نے یک زبان ہو کر بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے خلاف اپنا فیصلہ دیا۔ آخر کار خود مسٹر بھٹو نے اپنے کراچی کے آخری جلسے میں (جب لوگوں نے بنگلہ دیش نامنظور کے نعرے لگائے) عوام کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی بنگلہ دیش نامنظور ہے۔ اس طرح مسٹر بھٹو بنگلہ دیش کو منظور کرنے کیلئے عوام کی تائید حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے۔

۲۲ فروری ۷۴ء کو لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ میزبانی کے فرائض پاکستان نے انجام دیئے۔ وزیر اعظم بھٹو نے اسلامی سربراہ کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کی۔



یہ کانفرنس دراصل مسٹر بھٹو کی سعی کا نتیجہ تھی۔ ۴۰ سے زائد مسلمان ممالک کے سربراہ و نمائندے اس کانفرنس میں شریک تھے۔ اس کانفرنس میں اسلامی دنیا کی جن ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی ان میں سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل بن عبد العزیز۔ مصر کے صدر انور السادات۔ شام کے صدر حافظ الاسد۔ لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی۔ الجزائر کے صدر حواری بومدین۔ سوڈان کے صدر جعفر محمد نمیری۔ یوگنڈا کے صدر عدی امین۔ بنگلہ دیش کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمن اور تنظیم آزادی فلسطین کے چیئرمین یاسر عرفات شامل ہیں۔ اسلامی سربراہوں کی پہلی کانفرنس ستمبر ۶۹ء میں مراکش کے دارالحکومت رباط میں ہوئی تھی اس اعتبار سے یہ دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس تھی۔

اسلامی سربراہ کانفرنس میں بنگلہ دیش کو شریک کرنا مقصود و مطلوب تھا اس مقصد کیلئے پاکستان سے ایک خصوصی وفد ڈھاکہ بھیجا گیا جس میں اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل مسٹر حسن التہامی بھی اس کانفرنس کے نمائندے کی حیثیت سے وفد میں شامل تھے۔ بنگلہ دیش جانے والے وفد کے سربراہ کویت کے وزیر خارجہ شیخ صباح الاحمد الجابر تھے۔ لاہور میں پنجاب اسمبلی کی جس عمارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں پہلے سے ایک نشست بنگلہ دیش کے نمائندے کے لئے مختص تھی۔ مسٹر بھٹو قومی اسمبلی سے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کا اختیار پہلے ہی لے چکے تھے لیکن شیخ مجیب الرحمن نے اسلامی سربراہ کانفرنس میں اس وقت تک شرکت کرنے سے انکار کر دیا جب تک پاکستان کی طرف سے بنگلہ دیش کو ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے سرکاری طور پر تسلیم نہیں کر لیا جاتا۔

۲۲ فروری کو پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ اس کا اعلان وزیر اعظم بھٹو نے لاہور ٹیلیویژن کے اسٹوڈیو میں صوبائی گورنروں، وزیروں، اسمبلی کے ممبروں اور پارٹی کے ارکان کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ وزیر اعظم بھٹو کی تقریر درج ذیل ہے۔

"میں نے آپ کو اور دیگر صوبوں سے دوستوں کو یہاں آنے کی تکلیف دی ہے۔ سندھ، سرحد، اور بلوچستان سے بھی دوستوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس میٹنگ کے لئے آئیں۔ دو دفعہ یہ میٹنگ بلائی گئی۔ کیونکہ میرا ارادہ تھا

کہ آپ سے مخاطب ہوں لیکن اب تک موقع نہ مل سکا، کیونکہ چند واقعات ایسے ہوئے جن کے باعث میٹنگ کو ملتوی کرنا پڑا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں آپ سے کیوں ملنا چاہتا تھا، میں نے ہر مشکل وقت میں آپ سے مشورہ کیا ہے اور میری سیاسی زندگی کا دستور یہی ہے، جب میں کہتا ہوں، آپ سے مشورہ کروں تو میں آپ کی ذات سے نہیں بلکہ پاکستان کے عوام سے مخاطب ہوتا ہوں۔ کیونکہ آپ عوام کے نمائندے ہیں اور آج میں اس چھوٹے سے کمرے میں عوام کے نمائندوں سے ملاقات کر رہا ہوں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ میں کیا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، اور کس مسئلے پر آپ کی رائے لینا چاہتا ہوں۔ یہ مسئلہ بنگلہ دیش کا ہے یہ مسئلہ کیوں پیدا ہوا۔ بنگلہ دیش بننے کی وجوہات کیا تھیں۔ اس کا پس منظر کیا تھا آپ سب جانتے ہیں وہاں آزادی یا علیحدگی کی تحریک چلی یا نہیں چلی۔ اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا یا نہیں؟ وہاں جارحیت اور مداخلت ہوئی یا نہیں یہ بھی آپ کو معلوم ہے، دو سال سے اس بات پر بہت بحث اور مناظرے ہو چکے ہیں اس پر بھی بہت بحث ہوئی ہے کہ چھ نکات ملک کی سالمیت کا پروگرام تھا یا علیحدگی کا پروگرام تھا۔ میری ناقص رائے میں یہ پروگرام علیحدگی کا تھا۔

میں نے اس مسئلے پر دو سال تک تقریریں کی ہیں۔ جب سے میری حکومت آئی ہے میں نے یہ بات کہی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں میرا جو فلسفہ تھا وہ میں پہلے دن سے کہہ رہا ہوں، آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم پر کوئی دباؤ پڑ رہا ہے اگر دباؤ ہو بھی تو ہم دباؤ میں نہیں آتے۔ ہم پر بڑی طاقتوں نے دباؤ ڈالا بلکہ دباؤ سے بھی کچھ زیادہ کیا اور کہا کہ اگر آپ نے یہ فیصلہ نہ کیا تو مشکلات بڑھیں گی لیکن میں نے بڑی طاقتوں یا ہندوستان کی پروا نہیں کی لیکن اس وقت یہاں تاریخی اسلامی کانفرنس ہو رہی ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ ابھی بھی دباؤ ہے لیکن یہ دشمنوں کی رائے نہیں۔ یہ فیصلہ چاہنے والے ہمارے مخالف نہیں۔



یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ کانفرنس اسی مقصد کیلئے بلائی گئی ہے اگر یہ کانفرنس اسی مقصد کے لئے بلائی گئی ہے تو کیا اسرائیل بھی پاکستان نے بنایا ہے اور کیا دو جنگیں بھی ہم نے کرائی تھیں کہ ایک دن مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش بنے اور ہم کانفرنس کے بہانے اسے تسلیم کریں۔ اور کیا اکتوبر کی جنگ ہم نے کرائی تھی۔ لیکن یہی باتیں دنیا جانتی ہے غلط فیصلے سب سے ہو سکتے ہیں، میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ قوم یا عوام کے مفاد کے خلاف غلط فیصلہ نہ کروں۔ میں نے اس مسئلہ پر بہت سوچا ہے اور اگر اس آخری وقت پر بھی کوئی شخص یا آپ میں سے کوئی دوست اٹھ کر یہ بتائے کہ ذوالفقار علی بھٹو ہم اس فیصلے کے سوا کسی دوسرے طریقے سے دوبارہ اکٹھے ہو سکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ میں آپ کی بات مانتا ہوں آخر ہمارے پاس ایسا کون سا طریقہ ہے جس سے ہمارے بھائی جنہوں نے ہمارے ساتھ مل کر پاکستان کے لئے قربانیاں دیں اور جدوجہد کی، اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اس سے کون انکار کرتا ہے اگر یہ انصاف کی حقیقت ہے تو ہمیں اسے تسلیم کر لینا چاہئے اور اگر یہ غلط حقیقت ہے تو ہمارے فیصلے کے باوجود خود مٹ جائے گی۔ کیونکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ غلط حقیقت مٹ جایا کرتی ہے اگر وہاں جارحیت ہوئی ہے تو وہاں کے لوگ خود اس کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو جارحیت کا پھل قبول کرنے والی بات ہوگی۔ لیکن یہ تقریروں کی باتیں ہیں دنیا کا دستور ہے اور آدم اور حوا کے زمانے سے یہ طریقہ چل رہا ہے کہ فیصلے جنگ سے ہوتے ہیں یا پُرامن طور پر۔ لیکن صحیح فیصلے جنگ سے نہیں ہوتے امن سے ہوتے ہیں اور اگر امن سے نہ ہوں تو پھر جنگ آخری حربہ ہوتی ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آج کا دن میرے لئے مبارک ہے یہ نہ سمجھیں کہ مجھے خوشی ہو رہی ہے میں خوش نہیں بعض فیصلوں میں افسردگی ہوتی ہے، میں نہیں کہتا کہ میں یہ تقریر غم کے ساتھ نہیں کر رہا۔ میں نے پورے ملک میں عوام

ے باتیں کی ہیں۔ خیبر سے کراچی تک ہر شہر اور ہر صوبے میں جا کر اس مسئلے پر اپنا نقطۂ نظر عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ قومی اسمبلی کی وہ قرارداد میرے پاس ہے جس میں حکومت کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ میں چاہتا تو آپ کو نہ بتلاتا، ایک پریس کانفرنس بھی کر سکتا تھا لیکن میں آپ کے سامنے پیش ہونا چاہتا تھا۔ اگر ہم ماضی کو بھول جائیں اور برصغیر کے حالات اور بنگلہ دیش کے ساتھ تعلقات کو دیکھیں تو میری رائے میں کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور مجھ سے کہا بھی گیا کہ تم دیر کیوں کرتے ہو یہ فیصلہ تو تمہیں بہت پہلے کرنا چاہیئے تھا۔

آج لاہور میں ہمارے بھائی اور دوست جمع ہیں وہ ہمیں غلط مشورہ نہیں دے سکتے انہوں نے ہر نازک وقت اور بحران میں ہمارا ساتھ دیا ہے ان میں کئی نے بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا وہ ہمارے خیر خواہ ہیں میں نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس سے پہلے بھی اور ان کے لاہور میں آنے پر بھی مشورہ کیا ہے میں نے ان سے کہا آپ بتائیں ہمیں کیا کرنا چاہیئے آپ ملتِ اسلامیہ کے خیر خواہ ہیں آپ ہمیں مشورہ دیں۔ ان سب نے کہا آپ یہ فیصلہ کریں۔ یہ فیصلہ پاکستان کے حق میں ہے۔ یہ رائے دشمن کی نہیں۔ انہوں نے اپنا وفد بھیجا ہے وہاں سے واپس آ کر بھی دوستوں نے مجھ سے باتیں کیں اور میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ قوم کا فیصلہ ہے۔ اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو میں حاضر ہوں، عوام انصاف کریں۔ میں انصاف سے نہیں ڈرتا۔ میں ڈرنے والا نہیں۔ اگر یہ ہمارے مفاد کا فیصلہ ہے تو میرے عوام، میرے دوست، میرے مزدور، میرے کسان، میرے دانشور اسے قبول کر لیں گے، کیونکہ اس سے ہم اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حکومت پاکستان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ہم آج سے بنگلہ دیش کو منظور کرتے ہیں۔ ان کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں



کل ان کا وفد یہاں آئے گا ہم ان سے بغلگیر ہوں گے اور اسلامی کانفرنس میں سات کروڑ مسلمانوں کو نمائندگی بھی مل جائے گی میں نے آپ کو اسی لئے دعوت دی تھی۔ اب آپ عوام کے پاس جائیں اور انہیں یہ پیغام پہنچائیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے اسلامی سربراہ کانفرنس میں دوسرے دن شرکت کی۔ بنگلہ دیش کے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن ۲۳ فروری کو اسلامی سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لئے ۱۲ رکنی وفد کے ہمراہ ڈھاکہ سے لاہور پہنچے۔ وزیراعظم بھٹو اور صدر فضل الٰہی چوہدری نے ان کا خیر مقدم کیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن دونوں رہنماؤں سے بغلگیر ہوئے۔ اس وقت بنگلہ دیشی وزیراعظم نے سفید پاجامہ، سفید کرتہ اور مونگیا رنگ کی واسکٹ پہن رکھی تھی۔ ان کے اترتے ہی ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ استقبال کرنے والوں سے مصافحہ کرنے کے بعد وزیراعظم بھٹو اور صدر فضل الٰہی کے ہمراہ اسلامی چبوترہ پر چلے گئے جہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے قومی پرچم لہرا رہے تھے پاکستان کی مسلح فوج کے دستوں نے ان کو سلامی دی بعد ازاں انھوں نے گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے انعقاد سے پاکستان اور مسلم ممالک کے درمیان مذہبی، تاریخی، اقتصادی اور سیاسی رشتے مضبوط ہو گئے لیکن درحقیقت اسلامی سربراہ کانفرنس کا بنیادی مقصد بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا تھا جس کے لئے مسٹر بھٹو نے یہ اہتمام کیا تھا۔ مسٹر بھٹو جانتے تھے کہ پاکستان کے لوگ اسلامی ملکوں سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں اور جب مسلم سربراہوں کی پاکستان موجودگی میں بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جائے گا تو عوام اپنے منفی ردِ عمل کا اظہار نہیں کریں گے۔ بنگلہ دیش تسلیم کئے جانے پر عموماً لوگوں کو دکھ ہوا تھا۔ اگر عام حالات میں بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جاتا تو ملک میں حکومت کے خلاف بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوتے۔ مصر کے صدر انور السادات نے بنگلہ دیش تسلیم کئے جانے کے اقدام کو کانفرنس کا سب سے اہم واقعہ قرار دیا۔ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ مسٹر بھٹو نے اسلامی سربراہ کانفرنس کے اختتام کے بعد لیبیا کے صدر کرنل قذافی کو پاکستان میں روک لیا۔ لاہور میں قذافی اسٹیڈیم میں ایک عام جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ اس جلسۂ عام میں کرنل قذافی نے مسٹر بھٹو کی موجودگی میں ایک

پُرجوش تقریر کی۔ اس تقریر میں کرنل قذافی نے بھٹو کی طرف سے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے فیصلے کی پُرزور حمایت کی۔ لیبیا کے صدر کرنل قذافی کو پاکستان میں روکنے کا واحد مقصد بنگلہ دیش کی منظوری کیخلاف عوام کے ردِ عمل کو روکنا تھا۔ اس طرح اسلامی سربراہ کانفرنس میں بنگلہ دیش تسلیم کرکے پاکستان کی تقسیم پر مہر ثبت کر دی گئی

❊ ❊ ❊ ❊





اس کتاب کے مؤلف سعیدالدین ۱۹۵۴ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا اور فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن حاصل کی۔ اسلامیہ لاء کالج کراچی سے قانون کا امتحان پاس کیا۔ دورانِ تعلیم طلباء کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ادبی ذوق کے مالک ہیں۔ مختلف جرائد میں ادبی اور معاشرتی موضوعات پر آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ سیاسیات آپ کا خاص اور پسندیدہ مضمون ہے۔ آپ کا سیاسی مطالعہ حقیقت پسندانہ ہے۔ آج کل ملتان یونیورسٹی (پنجاب) شعبۂ سیاسیات و بین الاقوامی امور میں لیکچرار کے عہدہ پر فائز ہیں۔